حويلي

مشتاق احمد يوسفي

وہ آدمي هے مگر ديكہنے كي تاب نہيں يادش بخير ميں نے ١٩٤٥ ميں جب قبلہ كو پہلے ديكھا تو ان كا حليہ ايسا ہو گيا تہا جيسا اب ميرا هے، ليكن ذكر همارے يار طرح دار بشارت علي فارقي كے خسر كا هے، لہذا تعارف كچه انهي كي زباں سے اچھا معلوم هوگا، هم ني بارہا سنا آپ بهي سنيے-وہ هميشہ سے ميرے كچہ نہ كچہ لگتے تہے، جس زمانے ميں ميرے خسر نہيں بنے تہے تو پهوپا هوا كرتے تہے اور پهوپا بننے سے پهلے ميں انہيں چچا حضور كہا كرتا تہا،اس سے پهلے بهي يقينا وہ كچہ اور لگتے هوں گے، مگر اس وقت ميں نے بولنا شروع نہيں كيا تہا،همارے هاں مراد آباد اور كانپو ميں رشتے ناتے ابلي هوئي سويوں كي طرح الجهے اور پيچ در پيچ گہتے هوتے تہے، ايسا جلالي، ايسا مغلوب الغضب آدمي زندگي ميں نہيں ديكہا، بارے ان كا انتقال هوا توميري عمر آدهي ادهر ، آدهي ادهر ، چاليس كے لگ بہگ تو هوگي، ليكن صاحب جيسي دهشت ان كي آنكهيں ديكہ كر چهٹ پن ميں هوئي تہي، ويسے هي نہ صرف ان كے آخري دم تک رهي، بلكہ ميرے آخري دم تک بهي رهےگي، بڑي بڑي آنكہيں اپنے ساكٹ سے نكلي پڑي تہيں، لال سرخ، ايسي ويسي؟ بالكل خون كبوترا لگتا تہا بڑي بڑي پتليوں كے گردلال ڈوروں سے ابهي خون كے فوراے چهوٹنے لگيں گے اور ميرامنه خونم خون هو جائے گا، هر وقت غصے ميں بهرے رهتے تہے،جنے كيوں-گالي ان كا تكيہ كلام تهي،او رجو رنگ تقرير كا تہا وهي تحرير كا ، ركہ ہاته نكلتا هے دهواں مغز قلم سے ، ظاهر هے كچہ ايسے لوگوں سے بهي پالا پڑتا تہا، جنہيں بوجوہ گالي نہيں دے سكتے، ايسے موقوں پر زبانسے تو كچہ نہ كہتے ليكن چهرے پر ايسا ايكسپريشن لاتے كہ قد آدم گالي نظر آتے، كس كي شامت آئي تهي كہ نا كي كسي بهي رائے سے اختلاف كرتا، اختلاف تو دركنا، اگر كوئي شخص محض ڈر كے مارے ان كي

رائے سے اتفاق کرلیتا تو فورا اپني رائے تبديل کر کے الٹے اس کے سر ہوجاتے۔
ارے صاحب بات اور گفتگو تو بعد کي بات ھے، بعض اوقات محض سلام سے مستعل ھو جاتے تھے، آپ کچھ بھي کہيں، کيسي ھي سچي اور سامنے کي بات کہيں وہ اس کي ترديد ضرور کريں گے، کسي کي رائے سے اتفاق کرنے ميں اپني سبکي سمجھتے تھے، ان کا ھر جملہ نہيں سے شروع ھوتا تھا، ايک دن کانپور ميں کڑاکے کي سردي پڑ رھي تھي، ميرے منہ سے نکل گيا کہ آج بڑي سردي ھے بولے نہيں، کل اس سے زيادہ پڑے گي۔
وہ چچا سے پھوپا بنے اور پھوپا سے خسر الخدر ليکن مجھے آخر وقت تک نگاہ اٹھا کر بات کرنے کي جسارت نہ ھوئي، نکاح کے وقت وہ قاضی کے پہلو ميں بيٹھے تھے، قاضي نے مجھ سے پوچھا قبول ھے، ان کے سامنے منہ سے ہاں کہنے کي جرائت نہ ھوئي، بس اپني تھوڑي دسے دو مودبانہ ٹھونگيں ماردیں جنہيں قاضي قبلہ نے رشتہ مناکحت کيلئے ناکافي سمجھا قبلہ کڑک کر بولے لونڈے بولتا کيوں نہيں؟ڈانٹ سے ميں نروس ھوگيا، ابھي قاضي کا سوال بھي پورا نہيں ھوا تھا کہ ميں نے جي ہاں قبول ھے کہہ ديا، آواز ايک لخت اتنے زور سے نکلي کہ ميں خود چونک پڑا قاضي اچھل کر سہرے ميں گھس گيا حاضرين کھلکھلانے ھنسنے لگے اب قبلہ اس پر بپھر رھے ھيں کہ اتنے زور کي ہاں سے بيٹي والوں کي ھيٹي ھوتي ھے، بس تمام عمران کا يہي حال رھا، اور تمام عمر ميں کرب قرابت داري قہري دونوں ميں مبتلا رہاحالانکہ اکلوتي بيٹي، بلکہ اکلوتي اولاد تھي اور بيوي کو شادي کے بڑے ارمان تھے،ليکن قبلہ نے مائيوں کے دن عين اس وقت جب ميرا رنگ نکھارنے کيلئے ابٹن ملا جارہا تھا، کہلا بھيجا کہ دولہا ميري موجودگي ميں اپنا منہ سہرے سے باھر نہيں نکالے گا، دو سو قدم پہلے سواري سے اتر جائے گا اور پيدل چل کر عقد گاہ تک آئے گا، عقد گاہ انھوں نےاس طرح کہا جيسے اپنے فيض صاحب قتل گاہ کا ذکتر کرتے ھيں اور سچ تو يہ ھے کہ قبلہ کي دہشت دل ميں ايسي بيٹھ گئي تھي کہ مجھے تو عروسي چھپر کھٹبھي پھانسي گھاٹ لگ رھا تھا انھوں نےيہ شرط بھي لگائي کہ براتيپلائو زردہ ٹھونسنے کے بعد ھر گز يہ نہيں کہيں گے کہ گوشت کم ڈالا اور شکر ڈيوڑھي نہيں پڑي، خوب سمجھ لو، ميري حويلي کے سامنے بينڈ باجا ھر گز نہيں بجے گا اور تھميں رنڈي نچواني ھے تو ميرے لاش پر ، اپنے کوٹھے پر ے نچوائو

کسي زمانے ميں راجپوتوں اور عربوں ميں لڑکي کي پيدائش نحوست اور قہر الٰہي کي نشاني تصور کي جاتي تھي، ان کي غيرت يہ کيسے گوارا کرسکتي تھي کن ان کے گھر برات چڑھے، داماد کے خوف سے وہ نوزائيدہ لڑکي کو زندہ گاڑ آتے تھے، قبلہ اس وحشيانہ رسم کے خلاف تھے، وہ داماد کو زندہ گاڑدينے کے حق ميں تھے۔
چہرے، چال اور تيور کو توال شہر لگتے تھے، کون کہ سکتا تھا کہ بانس منڈي

میں ان کي عمارتي لکڑي کي ایک معمولي سي دکان ھے،نکلتا ھوا قد،چلتے تو قد سینہ اور آنکہیں ، تینوں بیک وقت نکال کر چلتے ارے صاحب کیا پوچہتے ھیں، اول تو ان کے چہرے کي طرف دیکہنے کي ہمت نہیں ھوتي تھي، اور کبھي جي کڑا کرکے دیکہ بھي لیا تو بس لال بھبو کا آنکہیں نظر آتي تہیں، نگہ نرم گرم سے اک آگ ٹپکتي ھے اسد، رنگ گندمي آپ جیسا ، جسے آپ اس گندم جیسا بتاتے ھیح جسے کہاتے ھي حضرت آدم، بیک بیوي ودو گوش جنت سے نکال دیے گئے، جب دیکھو جہلاتے تنتناتے رھتے ھیں، مزاج ،زبان اور ہاتھکسي پر قابو نہ تہا،دائمي طیش سي لرزہ براندام رھنے کے سبب اینٹ، پتھر، لاٹہي، گولي، گالي،کسي کا بھي نشانہ ٹہیک نہیں لگتا تہا،گچھي گچھي مونچہیں جنہیں گالي دینے سے پہلے اور بعد میں تائو دیتے، آخري زمانے میں بہوؤں کو بھي بل دینے لگے، گہٹا ھوا کسرتي بدن ململ کے کرتے سے جہلکتا تہا، چني ھوئي آستین اور اس سے بھي مہین چني ھوئي دوپلي ٹوپي، گرمیوں میں خس کا عطر لگاتے، کیکري کي سلائي کا چوڑي دار پاجامہ، چوڑیوں کي یہ کثرت کہ پاجامہ نظر نہیں آتا تہا، دہوبي دروازھ کہٹکہٹا کر بلائیں تو چوڑي دار ھي میں برآمد ھوں گے۔

واللہ میں تو یہ تصور کرنے کي بھي جرات نہیں کرسکتا کہ دائي نے انہیں چوڑي دار کے بغیر دیکہا ھوگا بھري بھري پنڈلیوں پر خوب کھبتا تہا، ہاتہ کے بنے ریشمي ازار بند میں چابیوں کا گچہا چہنچہناتا رھتا جو تالے برسوں پہلے بے کار ھوگئے تہے ان کي چابیوں بھیاس گچہے میں محفوظ تہیں، حد یہ کہاس تالے کي بھي چابي تہي جو پانچ سال پھلے چوري ھوگیا تہا، محلے میں اس چوري ک ابرسون چرچا رھا، اس لئے کہ چور صرف تالا، پھرہ دینے والا کتا اور ان کا شجرھ نصب چرا کر لے گیا تہا، فرماتے تہے کہ اتني ذلیل چوري صرف کوئي عزیز رشتے دار ھي کرسکتا ھے، آخري زمانے میں یہ ازاربند گچہا بہت وزني ھو گیا تہا اور موقع بے موقع فلمي گیت کے بازو بند کي طرح کہل کہل جاتا، کبھیجہک کر گرم جوشي سے مصافحہ کرتے تو دوسرے ہاتہ سے ازار بند تہامئے، مئي جون میں ٹمپریچر ۱۱۰ ھوجاتااور منہ پر لو کے تہپڑسے پڑبے لگتے تو پاجامے سي ائیر کنڈیشننگ کرلیتے، مطلب یہ کہ چوڑیاں کو گہنٹون گہنٹوں پاني میں بگہو کر سر پر انگو چھا ڈالے، تربوز کہاتے، خس خانہ و برفاب کہاں سے لاتے، اس کے محتاج نہ تہے، کتني ھي گرمي پڑے، دکان بند نہیں کرتے تہے، میاں یہ تو بزنس، پیٹ کا دہندا ھے ، جب چمٹے کي جہونپڑي پیٹ میں آگ لگ رھي ھو تو کیا گرمي کیا سردي لیکن ایسے میں کوئي شامت کا مارا گاھک آنکلے تو برا بہلا کہہ کے بہگا دیتے تہے،اس کے وجود وھ کہنچا کہنچا دوبارہ انہي کے پاس آتا تہا، اس لئے کہ جیسي عمدھ لکڑي وھ بیجتے تہے، ویسي سارے کانپور میں کہیں نہیں ملتي تہي، فرماتے تہے، داغي لکڑي بندے نے آج تک نہیں بیچي، لکڑي اورداغ دار؟ داغ تو دو ھي چیزوں پ رسجتا ھے دل اور جواني۔

لفظ کے لچہن اور بازاري پان
تمباکو ، قوام، خربوزے اور کڑ ہے ہوئے کرتے لکہنو سے حقہ مراد آباد اور تالے علي گڑہ سے منگواتے تہے،حلوہ سوھن اور ڈپٹی نذير احمد والے محاورے دلي سے، دانت گرنے کے بعد صرف محاوروں پر گزارا تہا، گالياں البتہ مقامي بلکہ خانہ ساز ديتے جن ميں سلامت وردانی پائي جاتي تھي، طبع زاد ليکن بلاغت سے خالي، بس جغرافيہسا کہينچ ديتے تہے،سليم شاهي جوتياں اور چزي آپ کے جے پور سے منگواتے تہے، صاحب آپ کا راجهستان بهي خوب تہا، کيا کيا سوغاتيں گنوائيں تہيں اس دن آپ نے....؟ کہانڈ، سانڈ ، بہانڈ اور رانڈ، اور يہ بهي خوب رهي کہ مار واڑيوں کو جس چيز پر بهي پيار آتا هے اس کے نام ميں ٹه ، ڈ، اور ڑ لگا ديتے هيں، مگر يہ بات آپ نے عجيب بتائي کہ راجہتسان ميں رانڈ سے مراد خوب صورت عورت هوتي هے مارواڑي زبان ميں سچ مچ کي بيوه کے لئے بهي کوئي لفظ هے کہ نہيں؟يا سبهي خوب صورت نور علي نور بلکہ حور علي هوتي هيں، ليکن يہ بهي درست هے کہ سوسوا سو سال قبل تک رنڈي سے بهي مراد صرف عورت هي هوتي تہي،جب سے مردوں کي نيتيں خراب هوئيں ، اس لفظ کے لچہن بهي بگڑ گئے، صاحب راجہستان کے تين طرفہ تحفوں کے تو هم بهي قائل اور گہائل هيں، ميرا بائي، مهندي حسن اور ريشماں۔

ہاں تو ميں کہہ يہ رہا تہا کہ باهر نکلتے تو ہاته ميں پان کي ڈبيا اور بٹوه رهتا، بازار کا پان هر گز نہيں کہاتے تہے، کہتے تہے بازاري پان صرف رنڈوے ،تماش بين اور بمبئي والے کہاتے هيں، صاحب ين نفاست اور پرهيز ميں نے انہي سے سيکہا، ڈبيا چاندي کي ، نقشين، بہاري، ٹہوس، اسميں جگہ جگہ ڈينٹ نظر آتے تہے جو انساني سروں سے تصادم کے باعث پڑے تہے طيش ميں اکثر پانوں بهري ڈبہہ پہينک مارتے ، بڑي دير تک تو يہ پتہ هي نہيں چلتا تہا کہ مضروب کے سر اور چهرے سے خون نکل رها هے بکہرے پانوں کي لالي نے غلط جگہ رنگ جمايا هے، بٹوے خاص طور سے آپ کي جاے پيدائش درياست ٹونک سے منگواتے تہے، کہتے تہے کہ وہاں کے پٹورے ايسے ڈورے ڈالتے هيں کہ اک ذرا گہنڈي کو جہوٹوں ہاته لگا دو تو بٹوه آپي آپ مصاحبوں کي باچہوں کي طرح کہلتا چلا جاتا هے، گٹکا بہوپال سے آتا تہاليکن خود هي نہيں کہاتے تہے، فرماتے تہے ميٹہا پان ، ٹہمري ، گٹکا اور ناول، يہ سب نابالغوں کے شغل هيں، شاعري سے کوئي جاچ دلچسپي نہ تهي، رديف قافيے سے آزاد شاعري بے بطور خاص چڑتے تہے، يوں بهي ، بقول شخصے ، آزاد شاعري کي مثال ايسي هے جيسے بغير نيٹ کے ٹينس کہيلنا، ليکن اتنا ضروري تہا کہ اردو فارسي کےجتنے بهي اشعار لکڑي ، آگ ، دہويں، هيکڑي، لڑمرنے، ناکامي اور خوداري سے متعلق هيں سب ياد کررکہے تہے، صورت حال کسي بهي قابو سے باهر هوجاتي تو شعر سے اس کا دفعيہ فرماتے، آخري زمانے ميں عزت گزيں اور مدم بيزار هوگئے اور صرف دشمنوں کے جنازے

کو کندھا دینے کے لئے باھر نلکتے تہے ، جود ک وکاسني اور بیوي کو موتیا رنگ پسند تہا، شیرواني ہمیشہ موتیا رنگ کے ٹسر کي پہني۔
واہ کیا بات کورے برتن کي
بشارت کي زباني تعارف ختم ھوا، اب کچھ میري کچھ ان کیزباني سنیے اور رھي سھي زبان خلق سے جسے کوئي نہیں پکڑسکتا۔کانپور میں پہلے بانس منڈي اور پھر کو پر گنج میں قبلہ کي عمارتي لکڑي کي دکان تھي، اسي کو اپ ان کا حلیہ معاش اور وسیلہ مردم آزاري کہہ سکتے ھیں، تہوڑي بہت جلانے کي لکڑي بھي رکہتے تہے مگر اسے کبھي بھي لکٹري نہیں کہا، سوختہ یا ھیزم سوختہ کہتے تہے ،ان کي دکان کو کبھي کوئي نا آشنا ئے مزاج ٹال کہہ دیتا ھے تو دوسیري لے کر دوڑتے تہے، جواني میں پیسنیري لے کر دوڑتے تہے، تمام عمر پتھر کے باٹ استعمال کئے فرماتے تہے، لوھے کے فرنگي باٹ بھاري اور بے برکت ھوتے ھیں، پتھر باٹ کوبازؤں میں بھر کے سینے سے لگا کر اٹھانا پڑتا ھے اعمال تو دور رھے ، کسي کو یہ جرات نہیں ھوئي کہ ان پتہروں کا وزن ھي کروالے،کس کي شامت آئي تھي کہ ان دي ھوئي رقم یا لوٹائي ھوئي ریزگاري گن لے ، اس زمانے میں ، یعني اس صدي کي تیسري دھائي میں عمارتي لکڑي کي کھپت بہت کم تھي، سال اور چیڑ کا رواج عام تہا، بہت ھوا تو چوکہٹ اور دروازے شیشیم کے بنوالیے ، ساگوں ان تو صرف امرا رؤسا کي ڈائننگ ٹیبل اور گوروں کے تابوت میں استعمال ھوتي تھي، فرنیچر ھوتا ھي کہاں تہا، بھلےگہروں میں فرنیچر کے ذیل میں صرف چار پائي آتي تھي، جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ھے، ان دنوں کرسي صرف دو موقعوں پر نکالي جاتے تھي، اول ، جب حکیم ، وید، ھومیوپیتھ ، پیر ، فقیر اور سیانوں سے مایوس ھو کر ڈاکڑ کو گھر بلایا جائے ، اس پر بیٹھ کے وہ جگہ جگہ اسٹے تہس کوپ لگا کر دیکہتا کہ مریض اور موت کے درمیان جو خلیج حائل ھوتي تھي اسے ان حضرات نے اپني دواؤں اور تعویز گنڈوں سے کس حد تک پر کیا ھے، اس زمانے کا دستور تہا کہ جس گہر میں موسمبي یا مہیمن لکڑي کي پٹاري میں روئي میں رکہے ھوئے پانچ انگور آئیں یا سولا ھیٹ پہنے ڈاکٹر آئے اور اس کے آگے آگے ھٹو بچو کرتا ھوا تیمار دار خصوصي اس کا چمڑے کا بیگ اٹہائے تو اڑوس پڑوس والے جلدي جلدي کھانا کھا کر خود کو تعزیت اور کاندھا دینے کے لئے تیار کرلیتے تہے، در حقیقت ڈاکٹر اس مرحلے پر بلا کر اس کرسي پر بیٹہا دیا جاتا تہا، جب وہ صورت ہال پیدا ھواجائے جس میں دو ھزار سال پھلے لوگ حضرت عیسي کو آزماتے تہے، کرسي کے استعمال کا دوسرا اور آخري موقع ھمارے یہاں ختنوں پر آتا تہا جب لڑکے کو دولہا کي طرح سجا بنا کر اور مٹي کا کھولنا ہاتھ میں دے کر اس کرسي پر بیٹھا دیا جاتا تہا، اس جلادي کرسي کو دیکہ اچھے اچھوں کي گھگہي بند ھوجاتي تھي، غریبوں میں اس مقصد کے لیے نئے ماٹ یا لمبي وضع کےکورے مٹکے کو الٹا کرکے سرخ کپڑا ڈال دیتے تہے۔

چارپائي

سچ تو یہ ھے کہ جہاں چار پائي ھو وہاں کسي فرنیچر کي ضرورت نہ گنجائش، نہ تک، انگلستان کا موسم اگر دل اتنا ذلیل نہ ھوتا اور انگریزوں نے بروقت چار پائي نہ ایجاد کرلي ھوتي تو نہ صرف یہ کہ وہ موجودھ فرنیچر کي کھکھڑیاں سے بچ جاتے ، بلکہ پھر آرام دھ چار پائي چھوڑ کر ، کا لونیز بنانے کي خاطر، گھر سے باھر نکلنے کو بھي ان کا دل نہ چاھتا، اوور ورکڈ سورج ان کي سلطنت پر ایک دچدي تک ھمہ وقت چمکتے رھنے کي ڈیوٹي سے بچ جاتا، اور کم از کم آج کل کے حالات میں اٹواٹي کھٹواٹي لےکر پڑا رھنے کے لئے ان کے گھر میں کوئي ڈھنگ کي چیز تو ھوتي ، ھم نے ایک دن پروفیسر قاضي عبدالقادر وس ایم اے ، بیٹي سے کہا کہ بقول آپ کے، انگریز تمام ایجادات کے موجد ھیں، آسائش پسند، بے حد پریکٹکل لوگ ھیں ، حیرت ھے چار پائي استعمال نہیں بولے ادون کسنے سے جان چراتے ھیں،راقم الحروف کے خیال میں ایک بنیادي فرق ذہن میں ضرور رکہنا چاھئیے، وھ یہ کہ یوررپین فرنیچر صرف بیٹہنے کے لیے ھوتا، جب کہ ھم کسي ایسي چیز پر بیٹہتے ھي نہیں جس پر لیٹ نہ سکیں، مثال میں دري، گدیلے، قالین، جازم، چاندني، چارپائي،کوچہ یار اور پہلوئے دلدار کو پیش کیا جاسکتا ھے ایک چیز ھمارے ھاں البتہ ایسي تھي، جسے صرف بیٹہنے کے لئے استعمال کیا جاتا تہا، اسے حکمرانوں کا تخت کہتےھیں، لیکن جب انہیں اس پر لٹکا کر اور پھر لٹا کر نہلا دیا جاتا ھے تو یہ تختہ کھلاتا تہا اور اس عمل کو تختہ الٹنا کہتے ھیں۔

اسٹیشن، لکڑي منڈي او ربازار حسن میں بجوگ

مقصد اس تمہید غیر دل پزیر کا یہ کہ جہاں چارپائي کا چلن ھو وہاں فرنیچر کي بزنس پنپ نہیں سکتي، اب اسے چوب عمارتي کہئیے یا ھیزم غیر سوختني دہند اس کا بھي ھمیشہ مندا ھي رھتا تہا کہ دکانوں کي تعداد گا ہکوں سے زیادھ تھي، لہذا کوئي شخص ایسا نظر آجائے جو حلیے اور چال ڈہال سے زرا بھي گا ہک معلوم ھوتو لکڑ منڈي کے دکان دار اس پر ٹوٹ پڑتے بیشتر گاھک گرد نواح کے دھہاتي ھوتے جو زندگي میں پہلي اور آخري بار لکڑی کانپور آتے تہے، ان پجاروں کا لکڑي سے دو ھي مرتبہ سابقہ پڑتا تہا، ایک اپنا گھر بناتے وقت ، دوسرے اپنا کریا کرم کرواتے سمے، قیام پاکستان سے پہلے جن پڑہنے والوں نے دلي یا لاھور کے ریلوے اسٹیشن کا نقشہ دیکہا ھے ، وھ اس چھینا جھپٹي کا بخوبي اندازھ کرسکتے ھیں۔١٩٤٥ میں ھم نے دیکھا کہ دلي سے لاھور آنے والي ٹرین کے رکتے ھي جیسے مسافر نے اپنے جسم کا کوئي حصہ دروازے یا کھڑکي سے باھر نکالا ، قلي نے اسي کو مظبوطي سے پکڑ کے سالم مسافر کو ھتہیلي پررکہا اور ھوا میں ادھر اٹھالیا اور اٹھا کر پلیٹ فارم پر کسي صراحي یا حقے پر بٹھا دیا، لیکن جو مسافر دوسرے مسافروں کے دہکے سے خود بخود ڈبے سے باھر نکل پڑے، ان کا حشر ویسا ھي ھوا جیسا اردو کي کسي نئي نویلي کتاب کا نقادوںکے ہاتہ ھوتا ھے، جوچیز جتني بھي جس کے

ہاته لگي ، سر پر رکه کر هوا ہو گیا، دوسرے مرحلے میں مسافر پر هوٹلوں کے دلال اور ایجنٹ ٹوٹ پڑتے، سفید ڈرل کا کوٹ پتلون ، سفید قمیض، سفید رومال، سفید کینوس کے جوتے، سفید موزے، ، سفید دانت، اس کے باوجود هم محمد حسین آزاد کے الفاظ میں هم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چنبیلي کا ڈهیر پڑا هنس رها هے، ان کي هر چیز سفید اور اجلي هوتي هے، سوائے چهرے کے، هنستے تو معلوم هوتا توا هنس رها هے، یہ مسافر پر اس طرح گرتے هیں جیسے انگلستان میں رگبي کي گیند اور ایک دوسرے کہلاڑي گرتے هیں، ان کي ساري تنگ ودو کا مقصد خود کچه حاصل کرنا نهیں بلکہ دوسروں کو حاصل کرنے سے باز رکهنا هوتا هے، مسلامن کو ٹونٹي دار لوٹے، مستورات، کثرت اطفال اور قیمے کے بہبکے سے فورا پہچان لیتے اور فورا اسلام علیکم بائي کہ کر لپٹ جاتے ، مسلمان مسافروں کے ساته صرف مسلمان دلال هي دہینگا مشتي کرسکتے تہے، جس کا دلال ہاته مسافر کے کپڑوں کے مظبوط ترین حصے پر پڑتا وهي ااس گہسٹیتا هو باهر لے آتا، جن کا ہاته لباس کے کمزور یا بوسیده حصوں پر پڑتا وه بعد میں ان کو بطور دستي رومال استعمال کرتے، نیم ملبوس مسافر قدم قدم پر اپني سترکشائي کرواتا، اسٹیشن کے باهر قدم رکہتا تو لاتعداد پہلوان جنہوں نے اکہاڑے کو ناکافي محسوس کرتے هوئے تانگہ چلانے کا پیشہ اختیار کیا تها ، خود کو اس پر چهوڑ دیتے تہے، اگر مسافر کے تن پر کوئي چتیہڑا اتفاقا بچہ رها تو اسے بهي رام چندر جي کي کہڑاوں کي طرح سہادیتے، اگر کسي کے چوڑي دار کمر بند کا سرا تانگے والے کے ہاته لگ جاتا تو وه غریب گرھ پر ہاته رکہے اس میں بندها چلا آتا، کوئي مسافر کا دامن آگے سے کہینچتا، کوئي پہچهے سے زلیخائي کرتا ، آخري راونڈ میںس ایک تگڑا سا تانگے والا سواري کادایاں ہاته اور دوسرا منٹنڈ اور اس کا بایاں ہاته پکڑ کے کهیلنے لگتے هیں، لیکن قبل اس کے هر دو فریقین اپنے اپنے حصے کي ران نیچے بیٹه کر مسافر کو یخلت اپنے کندہوں پر اٹہا لیتے اور تانگے میں جوت کر هوا هو جاتا۔

کم و بیش یہي نقشہ کو پر گنج کي لکڑي منڈي هوا کرتا تہا،جس کے قلب میں قبلہ کي دکان تہي، گودام بالعموم دکان سے ملحق، عقب میں هوتے تہے، گاهک پکڑنے کے لیے قبلہ اور تین چڑي مار دکان داروں نے یہ کیا کہ دکانوں کے باہر سڑک پر لکڑي کے چهوٹے چهوٹے کیبن بنالیے، قبلہ کا کیبن مسمند تکیئیے ، حقے، اگال دان اور اسپرنگ سے کہلنے والے چاقوں سےآراستہ تہا، کیبن گویا ایک نوع کا مچان تہا، جہاں سے گاهک کو مار گراتے تہے، پهر اسے چمکار پچکار کر اندر لے جایا جاتا جہاں کوشش یہ هوئي تہي، کہ خالي ہاته اور بهري جیب واپس نہ جانے پائے، جیسے هي کوئي شخص جو قیافے سے گاهک سے لگتا، سامنے سے گزرتا تو دور و نزدیک کے دکان دار اسے اشارے سے یا آواز دے کر بلاتے، مہاراج مہاراج، ان مہاراجوں کو دوسرے دکان داروں کے بنجے سے چہڑانے کیلئے اور خود گہسیٹ کر اپنے کچهار میں لے جانے کے

دوران اکثر ان کي پگڑياں کھل کر پيروں ميں الجه جاتيں، اس سلسلے ميں آپس ميں اتنے جھگڑے اور ہاتھا پائي ھوچکي تھي کن منڈي کے تمام بيوپاريوں ني پنجايتي فيصلہ کيا کہ گاھک کو صرف وھي دکان دار آواز دے کر بلا گا جس کي دکان کے آگے سے وھ گزرے گا، ليکن جيسے ھي وھ کسي دوسرے دکان دار کے حلقہ تشدد ميں داخل ھوگا تو اسے کوئي اور دکان دار ھر گز نہيں آواز دے گا، اس کے باوجود چھينا جھپٹي اور کشم پچھاڑ بڑہتي رھي گئي تو ھر دکان دار کے آگے چونے سے حد بندي لائين کھينچ دي جائے گي،اس سے يہ فرق پڑا کہ کشتي بند ھوگئي،کبڈي ھونے لگي، بعض دکان داروں نے مار پيٹ، گاھکوں کا ہانکا کرنے اور انہيں ڈنڈا ڈولي کرکے اندر لانے کے لئے بگڑے پہلوان اور شہر کے چھٹے ھوئے شہدے اور مسٹنڈے پاٹ ٹائم ملازم رکہ لئے تہے، کساد بازاري اپني انتہا کو پھنچي ھوئي تہي، يہ لوگ دن ميں لکڑ منڈي ميں گاھکوں کو ڈرا دھمکا کر ناقص اور کنڈم مال خريدواتے اور رات کو يہي فريضہ بازار حسن ميں بھي انجام ديتے، بہت سے طوائفوں نے اپني آبرو کو ھر ضب زيادھ سے زيادھ غير محفوض رکہنے کي غرض سے ان کو بطور پمپ ملازم چھوڑا تہا، قبلہ نے اس قسم کا کوئي غنڈا اور بد کردار پہلوان ملازم نہيں رکھا تہا، کہ انہيں اپنے بازوں پر پورا بہروسہ تہا، ليکن اوروں کي طرح مال کي چرائي کٹائي ميں مار کٹائي کا خرچہ بھي شامل کرليتے تہے-

آلات اخراج خون: جونک، سينگي، لاٹھي

ھمہ وقت طيش کا عالم طاري رھتا تہا ، انہوں نے پہلے سے موڈ بنا کر ليٹتے تہے، کہ انکه کہلتے ھي غصہ کرنے ميں آساني ھو، پيشاني کے تين بل سوتے ميں بھي نہيں مٹتے تہے، غصے کي سب سے خالص قسم وھ ھوتي ھے، جو کسي اشتعال کي محتاج نہ ھو کسي بہت معمولي سے بات پر آجائے، غصے کے آخر ھوتے ھوتے يہ بھي نہيں ياد رھتا کہ آيا کہ کس بات پر تہا، بيوي ان کو روزھ رکھنے ديتي تہيں ، غالبا١٩٣٥ کا واقعہ ھے ، ايک دن عشا کي نماز کے بعد گڑ گڑا گڑ گڑاکر اپني ديرينہ پريشانياں دور کرنے کيلئے دعائيں مانگ رھے تہے، کہ ايک تازہ پريشاني کا خيال آتے ھي ايک دم جلال آگيا، دعا ھي ميں کہنے لگے کہ تو نے ميري پراني پريشاني ھي کون سے رفع کرديں، جو اب ين نئي پريشاني دور کرے گا اس رات مصالا تہ کرنے کے بعد پھر کبھي نماز نہيں پڑھي-

ان کے غصے پر ياد آيا، کہ اس زمانے ميں کن ميليے محلوں بازاروں ميں پھيري لگاتے تہے، کان کاميل نکالنے پر ہي کيا موقوف، دنيا جہان کے کام گھر بيٹہے ھوجاتے ھيں، سبزي، گوشت اور سودا سلف کي خريداري، حجامت ، تعليم، زچگي، پيڑہي، کھاٹ، کھٹولے کي-----يہاں تک کہ خود اپني مرمت بھي، سب گھر بيٹہے ھوجاتي، بيبيوں کے ناخن نہرني سے کاٹنے اور پيٹه ملنے کے لئے نائين گہر آتي تہيں، کپڑے بھي مغلانياں گھر آکر سيتيں تہيں، تاکہ محرموں کو ناپ تک کي ھوا نہ لگے، حالانکہ اس زمانے ميں زنانہ پوشاک کے جو

نمونے هماري نظر سے گزرے هيں، وه ايسے هوتے تهے، کہ کسي بهي ليٹر بک سکا ناپ ليکر سيے جاسکتے تهے، غرض کہ سب کام گهر ميں هي هوتے تهے، کہ موت تک گهر ميں واقع هوتي تهيں، اس کے لئے باهر جا کر کسي ٹرک سے اپني روح قبض کروانے کي ضرورت نہيں پڑتي تهي، فساد خون سے کسي کے بار بار پهوڑے پهنسي نکليں، ، يا دماغ ميں خيالات فاسده کا هجوم دن دهاڑے بهي رهنے لگے، تو گهر پر هي فصد کهول دي جاتي هے، فاضل و فاسد خون نکلوانے کي غرض سے اپنا سر پهڑوانے والے يا پهوڑنے کيلئے، کسي سياسي جلسئے ميں جانے يا حکومت کے خلاف مظاهرے کرکے لاٹهي کهانے کي ضرورت پڑتي تهي، اس زمانے ميں لاٹهي کو آلہ اخراج خون کے طور پر استعمال نہيں کيا جاتا تها، جونک اور سينگي کے لگانے والي کنجرياں روز پهيري لگاتي تهيں، اگر اس زمانے ميں کسي حکيم کا هاته آج کل کے نوجوانوں کي نبض پر پڑجائے تو کوئي نوجوان ايسا نہ بچے جس کے تهاں سينگي لگي نظر نہ آئے، رهے سہے هم جيسے آج کل کے بزرگ کہ کي جس سے بات اس کو هدايات ضرور کي تو کوئي بزرگ ايسا نہ بچے گا، کس کي زباں پر حکيم صاحبان جونک نہ لگواديں۔

هم واقعہ يہ بيان کرنے چلے تهے کہ گرميوں کے دن تهے قبلہ ادلے کا قورمہ اور خربوزه تناول فرماکر کيبن ميں قيلو لہ کر رهے تهے، کہ اچانک کن مليے نے کيبن کے دروازے پر بڑے زور سے آواز لگائي کہ کان کا ميل ، خدا جانے ميٹهي نيند سورهے تهے، يا کوئي بہت هي حسين جواب ديکہ رهے تهے، جس ميں گاهک ان سے تهنے داموں دهڑ ادهڑ لکڑي خريد رهے تهے، هڑ بڑا کر آٹه بيٹهے، ايک دفعہ تو دهل گئے، چق کے پاس پڑي هوئي لکڑي اٹها کر اس کے پهيچهے هوليے، کمينے کي يہ جرات کن ان کے کان کے سے ققط ايک گزر دور بلکہ پاس ايسے گستےخانہ طريقے چيخنے، يہ کہنا تو درست نہ هوگا، کہ آگے آگے وه اور پهيچے پهيچے يہ، اس لئے قبلہ غصے ميں ايسے بهرے هوئے تهے کہ کبهي کبهي اس سے آگے بهي نکل جاتے ، سڑک پر کچه دور بهاگنے کے بعد کن ميليا گليوں ميں نکل گيا اور آنکهوں سے اوجهلک هوگيا، مگر قبلہ محض اپني چهٹي حس کي بتائي هوئي سمت ميںدوڑتے رهے اور يہ وه سمت تهي جس طرف کوئي شخص جس کے پانچوں حواس سلامت هوں ، جارحانہ انداز ميں لکڑي لاٹهي گهماتا هر گز نہ جاتا کہ يہ تهانے کي طرف جاتے تهي، اس وحشيانہ دوڑ ميں قبلہ کي لکڑي اور کن مليئ کا پگڑ جس کے هر پيچ ميں اس نےميل نکالنے کے اوزار اڑس رکهے تهے، زمين پر گر گيا، اس ميں سے ايک ڈبيا بهي نکلي جس ميں اس نے کان کا ميل جمع کررکها تها، نظر بچا کر اسي ميں تولہ بهر کر ميل نکال کر دکها ديتا کو ديکهو يہ تمهارے کام سي نکلا هے ، کسي کے کان سے گولر کے بهنگے برآمد کر کے کہتا هے کہ تمهارے کان ميں جو بهن بهن تن تن کي آوازيں آرهي تهيں، وه انهيں کي تهيں ليکن يہ سچ هے کہ وه کان کي بهول بهليوں ميں اتني دور تک سجهح سجهح

سلائي ڈالتا چلاجاتا تہا کہ محسوس ھوتا کہ ابھي کان کے راستے آنتيں بھي نکال کر ھتہيلي پر رکہ دے گا، قبلہ نے اس پگڑي کو ھکي پر چڑھا کر اپني کيبن کے سامنے اس طرح گاڑ ديا جيسا اگلے وقتوں ميں کوئي بے صبر ولي عہد ، يا وہ نہ ھو تو پھر کوئي دشمن، بادشاہ سلامت کا سرکاٹ کر نيزے پر ھر خاص و عام کي اطلاع کيلئے بلند کرديتا تہا، اس کي دہشت ايسي بيٹھي کہ دکان کے سامنے سے بڑھئي، کھٹ بنئيے، سينگي لگانے واليوں اور سحري کيلئے جگانے والوں ني بھي نکلنا چھوڑ ديا، ملحقہ مسجد کا کريہيہ السورت موذان بھي عقب والي گلي سے آنے جانے لگا۔

کانسي کي لٹيا، بالي عمريا اور چگي داڑھي

قبلہ اپنا مال بڑي توجہ، محنت اور محبت سے دکہاتے تہے، محبت کا اضافہ ھم نے اس ليے کيا کہ وہ گاھک کو تو شير کي نظر سے ديکہتے، مگر اپني لکڑيپر محبت سے ہاتہ پھيرتے رھتے، کوئي سا گو ان کا تختہ ايسا نہيں تہا، جس کے ريشوں کے ابر اور رگوں کا طغري، اگر وہ چاھيں تو ، ياد داشت سے کاغذ پر نہ بناسکتےھوں، لکڑ منڈي ميں وہ واحد دکان دار تہے، جو گاھک کو اپنا اور ھر شہتير اور بلي کا شجرہ نسب ازبر کراديتے تہے، ان کا اپنا شجرہ نسب بلي سے بھي زيادہ لمبا تہا۔اس پر اپنے جد اعلي کو ٹانگ رکہا ھے، ايک بلي کي قامت زيبا کي طرف اشارہ کرتے ھوئے کہتے، سوا انتالين فٹ لمبي ھے ، گونڈھ کي ھے، افسوس اصغر گونڈوي کے غوغائے شاعري نے گونڈھ کي بليوں کي شہرت کا بيڑا غرق کرديا، لاکہ کہو، اب کسي کو يقيين ھي نہيں آتا کہ گونڈے کي اصل وجہ شہرت خوب صورت بلياں تہيں، اصغر گونڈوي سے پہلے ايسي سيدھي، بے گانٹہ بلي ملتي تہي، کہ چاليس فٹ اونچا سرے پر سے چھلاچھوڑ دو تو بے روک ، سيدھا نيچےجہن سے آگے ٹھرتا ھے، ان کے ہاں کا ھر شہتير اصيل اور خانداني تہا، ، بيش ترخالص مغل يا روھيل کھنڈ کے پٹہان معلوم ھوتے تہے، کہ ھر آئے گئے کے کپڑے پھاڑ تے اور خود مشکل سے چرتے تہے، کبھي قبلہ کونے ميں پڑے ھوئے گرم و سرد سيلاب چشيده تختے کي طراف اتنے ادب و احترامسے اشارہ کرتے گويا ابھي ابھي جودي پھاڑ کي ترائي سے کشتي نوح ميں سے اکہاڑ کر بطور خاص ايک دانہ آپ کيلئے لے آئے ھيں، کبھي برمي ساگوان کے لٹہے پر شفقت سے ہاتہ پھيرتے ھوئے کہتے، مياں ابھي اس کي عمر ھي کيا ھے بچہ ھے، بہت سے بہت اسي سال ڈيڑھ ڈيڑھ سو سال کا ساگوان ارادي کے جنگلوں ميں آندھي طوفان ميں بالکل کھڑي کمر استادرھتا ھے اور اس ليکن صاحب ھے بلا کا سيز نڈ، سيکڑوں بارشوں اور سات دريائوں کا پاني پيکر يہاں پہنچا ھے اور اس لٹھے پر تو مگر مچھ نے پيشاب بھي کيا ھے ، انگلي سے اشارہ کرتے ھوئے، يہ جو کنول نين گرہ نظر آرھي ھے، اس پر مگر مچھ جس لکڑي پر موت دے اس ک وحشر تک نہ ديمک لگتي ھے ، نہ آگ لگتي ھے اس پر جواجہ عبدالحميدجو منشيانہ ڈيسک کے ليےلکڑي خريدنے آئےتہے، پوچہ بہيٹے کي امگر مچھ کے

کھمبے سے بجاے درخت پر---- وہ جملہ مکمل نہ کرپائے تھے کہ قبلہ تنک کر بولے جي نہیں، مگر مچھ تو سبیل اھل اسلام میں زنجیر سے بندھے ھوئے ٹین کے گلاس سے پاني پي کر ، سڑک پر ، ٹہل ٹہل کر استنجا سکہاتے ھیں، آپ کے والد صاحب کي طرح ، آیا خیال شریف میں؟

بس چوبیس گھنٹے مزاجکي کچہ ایسي ھي جوالا مکھي کیفیت رھتي تھي، ایک دفعہ حاجي محمد اسحاق چمڑے والے کچھ خریدنے آئے ، قبلہ یوں تو ھر قسم کي تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے، لیکن شمیم پر سچ مچ فریفہ تھے، اکثر فرماتےتخت طائوس میں شاہ جہاں نے شیشم ھي لگوائے تھي، شیشم کے گن گاھک اور قدر دان تو قبر میں جا سوئے ، مگر کیا بات ھے شیشم کي جتان استعمال کروں اتنے ھي جوھر کہلتے ھیں، شیشم کي جس چارپائي اور دادا جان دونوں کي ولادت ھوئي تھي، اپنے حسن تولد وتوارد کو قبلہ چارپائي اور دادا جان دونوں کے لئے باعث سعادت و افتجار رمجہتے ھیں، حاجي محمد اسحاق بولے، یہ لکڑي تو صاف معلوم نہیں ھوتي قبلہ نہ جانے کتنے برسوں بعد مسکرائے ، حاجي صاحب کي داڑھي کو ٹکٹکي باندھ کر دیکہتے ھوئے ارشاد فرمایا، یہ بات ھم نے شیشم کي لکڑي،کانسي کي لٹیا، بالي عمریا اور چگي داڑھي میں ھي دیکہیں کہ جتنا ہاتہ پپھیرو اتني ھي چمکتي ھے، اعلي ذات کي شیشم کي پہچان یہ ھے کہ آرا ، رندھ، برما سب کھنڈے کند اورہاتہ شل ھوجائیں یہ چیز تہوڑا ھي ھے کہ ایک ذرا کیل ٹھونکو توالف سے لے کر تک چر جائے، پر ایک بات ھے ، تازہ کٹي ھوئي چیڑ سے بن مھکار کا ایک آبشار پھوٹ پڑتا ھے لگتا ھے اس میں نہایا جا رھا ھوں، جس دن کارجانے میں چیڑ کیکٹائي ھونے والي ھو، اس دن میں عطر لگا کر نہیں آتا۔

سائي کے ساتہ عزت سادات بھي گئي

یوں تو ان کي زندگي ڈیل کارنیگي کے ھر اصول کي اول تا آخر نہایت کامیاب خلاف ورزي تھي، لیکن، بزنس میں انہوں نے اپنے ھتھکنڈے الگ ایجاد کیے تہے، گاھک سے جب تک یہ نہ کہلوالیں کہ لکڑي پسند ھے، اس کي قمیت اشارتا بھي نہیں بتاتے تہے، وہ پوچہتا بھیتو صاف تال جاتے، آپ بھي کمال کرتے ھیں، آپ کو لکڑي پسند ھے ،لے جائیے، گھر کي بات ھے، گاھک جب قطعي طعر پر لکڑي پسند کرلیتا تو قبلہ ویمت بتائے بغیر ، ہاتہ پہیلا کر بیغانہ طلب کرتے۔

سستا سماں تہا، وہ دوني ي اچوني کي سائي پیش کرتا جو اس سودے کیلئے کافي ھوتي، اشارے سے دہتکارتے ھوئے کہتے، چاندي دکھائوں یعني کم ازکم ایک کلد اروپیہ نکالو، وہ بے چارہ شرما حضوري ایک روپیہ نکالتا جو اس زمانے میں پندرھ سیر گیہوں یا سیر بہر اصلي گھي کے برابر ھوتا تہا، قبلہ روپیہ لے کر اپني ھتھیلي پر اس طرح رکہے رھتے کہ اسےتسلي کے لئے نظر تو آتا رھے، مگر جہپٹانہ مارسکے ، ھتہیلي کو اپنے زیادھ قریب بھي نہ لاتے، مبادا سودا ٹپنے سے پھلے گاھک بدک جائے کچہ دھر بعد خود کہتے مبارک ھو

سودا پکا ھوگیا،پھر قمیت بتاتے جسے سن کر وہ ھکا بکا رہ جاتا ، وہ قیمت پر حجت کرتا تو کہتے عجیب گہن چکر آدمي ھو، سائي دے کر پھرتے ھوں، ابھي روپیہ دےکر سودا پکا کیا ھےابھي تو اس میں تمھارا ہاتہ کي گرمائي بھي نہیں گئي اور ابھي پھر گئے، اچھا کہہ دو کہ یہ روپیہ تمھارا نہیں ھے، کھوکھوقمیت ناپ تول کر ایسي بتاتے کہ کائیاں سے کائیاں گاھک دبدھا میں پڑ جاتااور یہ فیچلہ نہ کرسکے کہ پیشگي ڈوبنے میں زیادہ نقچان ھے یا اس بہائو لکڑي خریدنے میں۔ دوران حجت کتني ھي گرما گرمي بلکہ ہاتھا پائي ھو جائے وہ اپني پتہیلي کو چت ھے رکہتے، متہي کبھي بند نہیں کرتے تہے ، تاکہ بے آبرو ھوتے ھوئے گاھک کو اطمینان رھے کہ کم از کم سائي تو محفوظ ھے ، ان کے بارے میں ایک قصہ مشہور تہا، کہ ایک سر پھرے گاھک سے جھگڑا ھوا تو دھوبي پاٹ کا داؤں لہا کر زمین پر دے مارا اور چھاتي پر چڑہ کر بیٹہ گئے، لیکن اس پوز میں بھي اپني ھتہیلي جس پر رروپیہ رکہا تہا ، چت ھي رکھي تاکہ اسے یہ بدگماني نہ ھو کہ روپیہ ھتہیانا چاھتے ھیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ جیسي بے داغ اور اعلي لکڑي وہ بیچتے تہے ، ویسي بقول ان کے تمہیں باغ بہشت میں شاخ طوبي سے بھي دستیاب نہ ھوگي، داغي لکڑي بندے نے آج تک نہیں بیچي، سو سال بعد بھي دیمک لگ جائے تو پورے دام واپس کر دوں گا، بات دراصل یہ تہي کہ وہ اپنے اصولوں کے پکے تہے، مطلب یہ کہ تمام عمر اونچي دکان، صحیح مال، ظلط مال پر سختي سے کار بند رھے، سنا ھے کہ دنیا کے سب سے بڑے فیشن ایبل اسٹور ھیرڈز کا دعوي ھے کہ ھمارے پاس سوئي سے لے کر ھاتہي تک دستیاب ھے ،کہنے والے کہتے ھیں، کہ قیمت بھي دونوں کي ایک ھوتي ھے، ھیرڈز اگر لکڑي بیچتا تو باخدا ایسي ھي اوران ھي داموں بیچتا۔

یہ چھوڑ کر آئے ھیں
کانپور سے ھجرت کرکے کراچي آئے تو دنیا ھي اور تہي، اجنبي ماحول، بے روزگاري، بے گھري، اس پر مستزاد ، اپني آبائي حویلي کے دس بارہ فوٹو مختلف زاویوں سے کھنچو کر لائے تہے، ذرا یہ سائیڈ پوز دیکھے، اور یہ شارٹ تو کمال کا ھے ، ھر آئے گئے کو فوٹو دکہا کر کہتے یہ چھوڑ کر آئے ھیں، جن دفتروں میں مکان کے الاٹ منٹ کي درخواستیں دي تہیں، ان کے بڑے افسروں کو بھي کٹھرے کے اس پار سے تصویري ثبوت ، استحقاق دکہاتے، یہ چھوڑ کرآئے ھیں، واسکٹ اور شیرواني کي جیب میں اور کچہ ھو یا نہ ھو حویلي کا فوٹو ضرور ھوگا،یہ درحقیقت ان کا وزیٹنگ کارڈ تہا، کراچي کے فلیٹوں کو کبھي ماچس کي ڈبیا ، کبھي دڑبے، کبھي کابک کہتے، لیکن جن تین مہینے جوتیاں چٹخانے کے باوجود ایک کابک میں سر چھپانے کو جگہ نہ ملي تو آنکہیں کہلیں، احباب نے سمجہایا فلیٹ ایک گہنٹے میں مل سکتا ھے ، کسٹوڈین کي ھتہیلي پر پیسا رکہو اور جس فلیٹ کي چاھو چابي لے لو، مگر قبلہ تو اپني ھتہیلي پر پیسا رکہوانے کے عادي تہے، وہ کہاں مانتے، مہینوں فلیٹ

الٹ کروانے کے سلسلے میں بھوکے پیاسے، پریشان حال سرکاري دفتروں کے چکر کاٹتے رھے، زندگي بھر کسي کے ھاں مہمان نہ رھے اب بیٹي داماد کے ہاں مہمان رھنے کا عذاببھي سہا۔

اب کیا ھوئے گا؟

انسان جب کسي گہلادینے واکے کرب یا آزمائش سے گزرتا ھے تو ایک ایک ساعت ایک ایک برس بن جاتیھے اور یوں لگتا ھے جیسے

ھر برس کے ھوں دن پچاس ھزار

بیٹي کے گھر ٹکڑے توڑ نے یا اس پر بار بننےکا وہ تصور بھي نہیں کرسکتے تہے، کانپور میں کبھي اس کے ہاں کہڑے کہڑے ایک گلاس پاني پیتے تو ہاتہ پر پانچ دس روپے رکہ دیتے، لیکن اب؟ صبح سرجھکائے ناشتہ کرکے نلکتے تو دن بھر خاک چہان کر مغرب سے ذرا پہلے لوٹتے، کھانے کے وقت کہہ دیتےکہ ایراني ھوٹل میں کھا کر آیا ھوں، جوتے انھوں نے ھمیشہ رحیم بخش جفت ساز سے بنوائے، ان جوتوں کے تلے اب اتنے گھس گئے تھے، کہ چر چرانے کے لائق نہ رھے، پیروں میں ٹھیکیں پڑگئیں، شیروانیاں ڈھیلي ھوگئیں، بیمار بیوي رات کو درد سے کراہ بھي نہیں سکتي تھیں، کہ سمدھیانے والوں کي نیند خراب ھونے کا اندیشہ تھا، ململکے کرتوں کي لکھنوي کڑھائي میل میں چھپ گئي، چنٹیں نکلنے کے بعد آستینیں انگلیوں سے ایک ایک بالش نیچے لٹکي رھتیں، خضابي مونچھوں کا بل تو نہیں گیا، لیکن صرف بل کھائي ھوئي نوکیں سیاہ رہ گئیں، چار چار دن نہانے کو پاني نہ ملتا، موتیا کا عطر لگائے تین مہینے ھوگئے۔

بیوي گھبرا کر بڑے بھولپن سے مضافاتي لہجے میں کہتیں، اب کیا ھوئے گا؟، ھوگا کے بجائے ھوئے گا، ان کے منہ سے بہت پیارا لگتا تھا، اس ایک فقرے میں وہ اپني ساري سراسیمگي، معصومیت، بے بسي اور مخاطب کے علم نجوم اور اس کے بے طلب مدد پر بھروسا ـــــسبھي کچھ سمودیتي تھیں، قبلہ اس کے جواب میں ھمیشہ بڑے اعتامد اور تمکنت سے دیکھتے ھیں، کہہ کر ان کي نشفي کر دیتے تھے۔

یہ زور دست و ضربت کاري کا ہے مقام

ھر دکھ، ھر عذاب کے بعد زندگي آدمي پر ایک راز کھول دیتي ھے، بودھیہ گیا کي چھاؤں تلے بدھ بھي ایک دکھ بھري تپسیا سے گزرے تھے، جب پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ، آنکھیں اندھے کنوئوں کي تہ میں بےنور ھوئیں، اور ھڈیوں کي مالا میں بس سانس کي ڈوري اٹکي رہ گئي، تو گو تم بدھ پر بھي ایک بھید کہل تھا، جیسا اور جتنا اور جس کارن آدمي دکھ بھوگتا ھے، ویاس ھي بھید اس پر کھلتا ھے، نروان ڈھونڈنے والے کو نروان مل جاتا ھے، اور جو دنیا کي خاطر کشت اٹھاتا ھےتو دنیا اس کو راستہ دیتي چلي جاتي ھے۔

سو گلي خاک چھانکنے اور دفتر دفتر دھکے کہانے کے بعد قبلہ کے قلب حزیں پر کچھ القا ھوا، وہ یہ کہ قاعدے قانون داناؤں اور جابروں نے کمزور دل والوں

کو قابوں میں رکھنے کیلئے بنائے ھیں، جو شخص ہاتھي کي لگام ھي تلاشکرتا رہ جائے، وہ کبھي اس پر چڑھ نہیں سکتا، جام اس کا ھے جو بڑھ کر خود ساقي کو جام ومینا سمیت اٹھالے، بالفاظ دیگر، جو بڑھ کرتالے توڑ ڈالے ، مکان اسے کا ھوگیا، کانپور سے چلے تو اپني جمع جتھا، شجرہ ، اسپرنگ سے کھلنے والا چاقو، اختري بائي فیض آبادي کےتین ریکارڈ، مراد آبادي حقے اور صراحي کے سبزکیرریر اسٹنڈ کے علاوہ اپني دکان کاتالا بھي ڈھو کر لے آئے تھے، علي گڑھ سے حاص طور پر بنوا کر، تین سیر کم کانہ ھوگا، مذکورہ بالا القا کے بعد بزنس روڈ پر ایک اعلي درجے کا فلیٹ اپنے لیے پسند فرمایا، ماربل کي ٹائلز ، سمندري ھوا کي رخ کھلنے والي کھڑکیاں جن میں رنگین شیشے لگے تھے، دروزے کے زنگ آلود تالے پر اپنے علیگ تالے کي ایک ہي ضرب سے فلیٹ میں اپني آباد کاري بلا منت سرکار کرلي، گویا پروفیسر قاضي عبدالقدوس کے الفاظ میں، اولال لذکر کو ثاني الزکت پر مار کر آخر الزکر کا قبضہ لے لیا، تختي دوبارہ پینٹ کروا کے لگادي،اس سے پہلے اس پر کسٹوڈین متروکہ املاک کا نام لکھا تھا، قبلہ عالم جلال میں اس وھیں سے کیلوں سمیت اکھاڑ لائےتھے، تختي پر نام کے آگے، مضطر کانپوري بھي لکھوادیا، پرانے واقف کاروں نے پوچھا کہ آپ شاعر کب سے ھوگئے،فرمایا میں نے آج تک کسي شاعر پر دیواني مقدمہ چلتے نہیں دیکھا، نہ ڈگري، قرقي ھوتے دیکھي-فلیٹ پر قابض ہونے کے کوئي چار ماہ بعد قبلہ چاڑي دار کا گھٹنارفو کر رھےتھے کہ کسي نے بڑے گستاخانہ انداز سے دروازہ کھٹکھٹایا، مطلب یہ کہ نام کي تختي کو پھٹ پھٹایا، جیسے ہي انہوں نے بڑ بڑا کر دروازہ کھولا، آنے والے نے خود کا تعارف اس چرح کروایا کہ گویا اپنے عہدے کي چپڑ اس ان کے منہ پر آٹھا کر دے ماري ھو،افسر ، محکمہ کسٹوڈین ایویکوي پراپرٹي، پھر ڈپٹ کر کہا بڑے میاں فلیٹ کا الاٹ منٹ آرڈر دکھاؤ، قبلہ نے واسکٹ کي جیب سے حویلي کا فوٹو نکال کر دیکھا یا، ، یہ چھوڑ کر آئے ھیں، اس نے فوٹو کا نوٹس نہ لیتے ھوئے قدرے درشتي سے کہا، بڑے میاں سنا نہیں کیا، الاٹ منٹ آرڈر دکھاؤ، قبلہ نے بڑي رسان سے اپنے بائیں پیر کا سلیم شاہي جوتا اتارا، اور اتني ھي رسان سے کہ اس کو گمان تک نہ ھوا کیا کرنے والے ھیں، اس کے منہ پر مارتے ھوئے بولے یہ ھے یاروں کا الاٹ منٹ آرڈر ، کاربن کاپي بھي ملاحضہ فرمائیے گا، اس نے اب تک یعني تا دم تذلیل، رشوت کھائي، جاتے نہیں کھائے تھے، پھر کبھي ادھر کا رخ نہیں کیا۔

جس حویلي میں تھا ہمارا گھر

قبلہ نے بڑے جتن سے لي مارکیٹ میں ایک چھوٹي سے لکڑي کي دکان کا ڈول ڈالا، بیوي کےجہیز کے زیور اور ویبلي اسکا ٹ کي بندوق اونے پونے بیچ ڈالي ،کچہ مال ادھار خریدا ، ابھي دکان ٹھیک سے جمي بھي نہیں تھي کہ ایک انکم

ٹیکس انسپیکٹر آنکلا، کھاتے ، رجسٹریشن، روکڑبہي، اور رسید بک کي طلبي کیں، دوسرےدن قبلہ ھم سے کہنے لگے، مشتاق میاں سنا ھے آپ نے؟مہینوں جوتیاں چٹخاتا، دفتروں میں اپني اوقات خراب کرواتا پھرا ، کسي نے پلٹ کر نہ پوچھا کہ بھیا کون ھو، اب دل لگي دیکھیے ،کال ایک انکم ٹیکس کا تیس مار خان دندناتا ھوا آیا، لقہ کبوتر کي طرح سینہ پھیلائے، میں نے سالے کو یہ دکھادي، یہ چھوڑ کرآئے ھیں، چندراکر پوچھنے لگا، یہ کیا ھے؟ ھم نے کہا ہمارے ہاں اس محل سرا کہتے ھیں۔

سچ جھوٹ کا حال مرزا جانیں کہ انھیں سے روایت ھے کہ اس محل سرا کا ایک بڑا فوٹو فریم کروا کے اپنے فلیٹ کي کاغذي سي دیورا میں کیل ٹھونک رہے تھےکہ دیورا کے اس پار والے پڑوسي نے آکر درخواست کي ذرا کیل ایک فٹ اوپر ٹھونکیں تاکہ دوسرے سرے پر میں اپني شیرواني لٹکا سکوں ،

دروازے زور سے کھولنے اور بند کرنے کي دھمکي سے اس زنگیائي کیل پر ساري محل سرا پنڈولم کي طرح جہولتي رہتي تھي، گھر میں ڈاکیا یا نئي دھوبن بھي آتي تو اسے بھي سکہاتے یہ چھوڑ کر آئے ھیں۔

اس حویلي کا فوٹو ھم نے بھي بار بار دیکھا، اس سے دیکھ کر ایسا لگتا تھا، جیسے کیمرے کو موٹا نظر آنے لگا ھے، لیکن کمرے کے ضعف بصارت کو قبلہ اپنے زور بیان سے دور رکھتے تہے، یوں بھي ماضی ھر شے کے گردایک روماني ہالہ کھینچ دیتاھے ، گزرا ھوا بھي سہانا لگتا ھے، آدمي کا جب کچھ چہن جائے تو وہ مست ملنگ ھوجاتاھے کسي فینٹسي لینڈ میں پناہ لیتا ھے۔

جس حویلي میں تھا ہمارا گھر

قبلہ نے بڑے جتن سے لي مارکیٹ میں ایک چھوٹي سے لکڑي کي دکان کا ڈول ڈالا، بیوي کےجہیز کے زیور اور ویبلي اسکا ٹ کي بندوق اونے پونے بیچ ڈالي ،کچھ مال ادھار خریدا ، ابھي دکان ٹھیک سے جمي بھي نہیں تھي کہ ایک انکم

ٹیکس انسپیکٹر آنکلا، کھاتے ، رجسٹریشن، روکڑبہي، اور رسید بک کي طلبي کیں، دوسرےدن قبلہ ھم سے کہنے لگے، مشتاق میاں سنا ھے آپ نے؟مہینوں جوتیاں چٹخاتا، دفتروں میں اپني اوقات خراب کرواتا پھرا ، کسي نے پلٹ کر نہ پوچھا کہ بھیا کون ھو، اب دل لگي دیکھیے ،کال ایک انکم ٹیکس کا تیس مار خان دندناتا ھوا آیا، لقہ کبوتر کي طرح سینہ پھیلائے، میں نے سالے کو یہ دکھادي، یہ چھوڑ کرآئے ھیں، چندراکر پوچھنے لگا، یہ کیا ھے؟ ھم نے کہا ہمارے ہاں اس محل سرا کہتے ھیں۔

سچ جھوٹ کا حال مرزا جانیں کہ انھیں سے روایت ھے کہ اس محل سرا کا ایک بڑا فوٹو فریم کروا کے اپنے فلیٹ کي کاغذي سي دیورا میں کیل ٹھونک رہے تھےکہ دیورا کے اس پار والے پڑوسي نے آکر درخواست کي ذرا کیل ایک فٹ اوپر ٹھونکیں تاکہ دوسرے سرے پر میں اپني شیرواني لٹکا سکوں ،

دروازے زور سے کھولنے اور بند کرنے کي دھمکي سے اس زنگیائي کیل پر ساري محل سرا پنڈولم کي طرح جہولتي رہتي تھي، گھر میں ڈاکیا یا نئي دھوبن

بھي آتي تو اسے بھي سکہاتے يہ چھوڑ کر آئے ھيں۔
اس حويلي کا فوٹو ھم نے بھي بار بار ديکھا، اس سے ديکہ کر ايسا لگتا تھا، جيسے کيمرے کو موتٹا نظر آنے لگا ھے، ليکن کمرے کے ضعف بصارت کو قبلہ اپنے زور بيان سے دور رکھتے تہے، يوں بھي ماضی ھر شے کے گردايک روماني ہالہ کھينچ ديتاھے ، گزرا ھوا بھي سہانا لگتا ھے، آدمي کا جب کچہ چہن جائے تو وہ مست ملنگ ھوجاتاھے کسي فينٹسي لينڈ ميں پناہ ليتا ھے۔

وہ ازحام کہ عقل دھرنے کي جگہ نہيں

حويلي کے چندا اندروني کلوز اپ بھي تھے، کچہ کيمرے کي آنکہ اور کچہ چشم تصور کے رہين، منت، ايک سہ دري تھي جس کي دو محرابوں کي دراڑوں ميں بازنطنيي اينٹوں پر کانپوري چڑيوں کے گھونسلے نظر آرھے تھے، ان پر مورش آرچيز کي تہمت تھي، چراغ رکھنے کا ايک آلہ طاقچہ ايسے آرٹسٹک زاويے سےڈہا تھا کہ پرتگالي آرچ کے آثار دکھائي ديتے تھے، فوٹو ميں اس کے پہلو ميں ايک چوبي گھڑونچي نظر آرہي تھي، جس کا شاھ جہاني ڈيزاين ان کے جدنے آب دار خانہ خاص سے بدست خود چرايا تھا، شاھ جہاني ھو يا نہ ھو، اس کے مغل ميں کوئي شبعہ نہ تھا، اس ليے کہ اس کي ايک ٹانگ تيموري تھي، حويلي کي غلام گردشيں فوٹو ميں نظر آرھي نہيں آرھي تہيں،ليکن ايک همسائےکا بيان ھے کہ ان ميں گردش کے مارے خانداني بڑے بوڑھےرلے پھرتے ھيں، شمالي حصے ميں ايک ستون جو مدتيں ھوئيں چھت کا بوجه اپنے اوپر سے اوچھے کے احسان کي طرح اتار چکا تھا، رومن پلرز کا نادر نمونہ بتايا جاتا تھا، حيرت تھيکہ يہ چہت سے پہلے کيوں نہ گرا،اس کي ايک وجہ يہ ھوسکتي ھےکہ چاروں طرف گردن گردن ملبے ميں دبے ھونے کے باعث، اس کے گرنےکيلے کوئي خالي جگہ نہ تھيايک شکستہ ديورا کے ساتہ لکڑي کي بوسيده نسيني سيڑھي اس طرح کھڑي تھي کہ يہ کہنا مشکل تھا کہ کون کس کے سہارے کھڑا ہے ، ان کي بيان کے مطابق جب دوسري منزل منہدم نہيں ھوئي تھي تو يہاں وکٹورين اسٹائل کا گرينڈ اسٹير کيس ھوا کرتا تھا، اس غير موجود چھت پر جہاں اب چمگادڑيں بھي لٹک نہيں لٹک سکتي، قبلہ ان آھني کڑيوں کي نشان دہي کرتے جن ميں دادا کے زمانے ميں المانوي فانوس لٹکے رھتے تھے، جن کي چمچئ روشني ميں دو گھنگرالي خنجرياں بحتيں جو کبھي دو کوہان والے باختري اونٹوں کي مخمل نشينوں کےساتہ آئي تھيں، اگر يہ فوٹوں کي رننہ کمنڑي کے ساتہ نہ ديکھے ھوتے تو کسي طرح يہ قياس و ذہن ميں نہيں آتا سکتا تھا کہ پانچ سو مربع گز کي ايک لڑ کھڑاتي حويلي ميں اتنے فنون تعمير اور ڈھير ساري تہذيبوں کا ايسا گھمسان ازدحام ھوگا کہ عقل دھرنے کي جگہ نہ رھے گي، پہلي مرتبہ فوٹو ديکھيں تو خيال ھوتا تھا، کہ کيمرا ہل گيا ھے، پھر ذارا غور سے ديکھيں تو حيرت ھوتي ھے کہ يہ ڈھنڈار حويلي اب تک کيسے

کھڑي ہے، مرزا کا خیال تھا کہ اب اس میں گرنے کي بھي طاقت نہیں ھے۔

وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ھے

حویلي کے صدر دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر جہاں فوٹو میں گھورے پر ایک کالا مرغا گردن پھیلائے اذان دے رھا تھا، وہاں ایک شکتہ چبوترے کے آثار نظر آرھے تھے، اس کے پتھروں کے جوڑ اور درزوں میں سے پودے روشني کي تلاش میں گھبرا کے باھر نکل پڑے تھے، ایک دن اس چبوترے کي طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے، کہ یہاں آب مصفا سے لبریز سنگ سرخ کا هشت پہلو حوض ھوا کرتا تھا، جس میں ولایتي گولڈ فیش تیرتي رھتي تھیں، عارف میاں اس میں پاپونیر خبار کي کشتیاں تیرایا کرتے تھے، یہ کہتے کہتے قبلہ جوش و بیان میں اپني چھڑي لے کر کھڑے ھوئے، اس سے پھٹي ھوئي دري پر پر هشت پہلو حوض کا نقشہ کھینچنے لگے، ایک جگہ فرضي لکیر قدرے ٹیڑھي کھینچ تو اسے پیر سے رگڑ کر مٹایا، چھڑي کي نوک سے اس بد ذات مجھلي کي طرف اشارہ کیا جو سب سے لڑتي پھرتي تھي، پھر ایک کونے میں اس مچھلي کي بھي نشان دہي کي جس کا جي ماندھ تھا، انھوں نے کھل کر تو نہیں کہا کہ آخر ہم ان کے خور تھے، لیکن ھم سمجھ گئے کہ مچھلي کا جي کھٹي چیزیں اور سوندھي مٹي کو کھانے کو بھي چاہ رہا ھوگا۔
قبلہ کبھي ترنگ میں آتے تو اپنے اکلوتے بے تکلف دوست رئیس احمد قدوائي سے فرماتے کہ جواني میں مئي جون کي ٹیک دوپہر یا میں ایک حیسین دوشیزہ کا کوٹھوں کوٹھوں ننگے پیر ان کي حویلي کي تپتي چھت پر آنا، اب تک مع ڈائیلاگ یاد ھے، یہ بات مرزا کي سمجھ میں آج تک نہیں آئي ، اس لیے کہ ان حویلي سہ منزلہ تھي، جب دائیں بائیں پڑوس کے دونوں مکان ایک ایک منزلہ تھے، حسین دوشیزہ اگر ننگے پیر ھو اور زیور حیا اتارنے کیلئے اتاولي ھورھي ھوں تب بھي یہ کرتب ممکن نہیں، ناواقتے کہ حسینہ ان کے عشق میں دوشیزہ ھونے کے علاوہ دو لخت بھي ھہ ھوجائے۔پلکھنفوٹو میں حویلي کے سامنے ایک چہتار پلکھن اداس کھڑي ہے، اس کا تخم ان کے جد اعلي سمندر سیاہ زانو پر سوار، کارچوبي کام کے چغے میں چھپا کر قحط کے زمانے میں دمشق سے لائے تھے، قبلہ کے قول کے مطابق ، ان کے پر دادا کے اباجان کہا کرتے تھے، کہ بےسروساماني کے عالم میں یہ ننگ خلائق، ننگ اسلاف ، ننگ وطن، ننگے سر، ننگے پیر، گھوڑے کي ننگي پیٹھ پر، ننگي تلوار ہاتھ میں لیے، خیبر کے سنگلاخ ننگے پہاڑوں کو پھلانگتا، وارد ھندوستان ھوا، جو تصویر وہ فخریہ کھینچتے تھے، اس سے تو یہ ہي ظاھر ھوتا تھا کہ اس وقت بزرگوار کے پاس ستر پوشي کے لیئے گھوڑوں کي دم کے سوا اور کچھ نہ تھا، جائداد، محل سرا، خدام ، مال و متاع -----سب کچھ وھیں چھوڑ آئے، البتہ اثاث البیت کا سب سے قیمتي حصہ یعني شجرہ نسب اور پلکھن کا تخم ساتھ لے آئے، گھوڑا جو انھي کي طرح نجیب الطرفین اور وطن مالوف سے بیزار تھا، تخم اور

شجرے کے بوجه سے رانوں تلے سے نکلا پڑ رها تها۔

شجرے کي ہر شاخ پہ نابغہ بیٹها تها

زندگي کي دهوپ جب کڑي هوئي اور پیروں تلے زمین جائداد نکل گئي تو آئنده نسلوں نے اسي شجر اور شجرے کے سائے تلے بسرام کیا، قبلہ کو اپنے بزرگوں کي ذہانت و فطانت پر بڑا ناز تها، ان کا ہر بزرگ نادرہ روزگار تها اور ان کے شجرے کي هر شاخ پر ایک نابغہ بیهٹا اونگ رها تها۔
قبلہ نے ایک فوٹو اس پلکهن کے نیچے اس جگہ کهڑے هو کرکہینچوایا تها، جہاں ان کي نال گڑي تهي، فرماتے تهے، اگر کسي تخم ناتحقیق کو میري حویلي کي ملکیت میں شبہ هوتو نال نکال کر دیکه لے جب آدمي کویہ معلوم نہ هو کہ اس کي نال کہاں گڑي ہے، اور پرکهوں کي ہڈیاں کہاں دفن هیں، تو وہ مني پلانٹ کي طرح هوجاتا هے جو مٹي کے بغیر صرف بوتلوں میں پهلتا پهولتا هے، اپني نال ،پرکهوں اور پلکهن کا ذکر اتنے فخر، غلو اور کثرت سے کرتے کرتے یہ احوال هوا کہ پلکهن کي جڑیں شجرے میں اتر آئیں، جیسے گهٹنوں میں پاني اتر جاتا هے ۔

امپورٹڈ بزرگ اور یوناني ناک

وہ زمانے اور تهے، شرافت اور نجابت کے معیار بهي مختلف تهے، جب تک بزرگ اصلي امپورٹڈ یعني ماورا النہري اور خیبر کے اس پار سے آئے هوئے نہ هوں، کوئي هندوستاني مسلمان خود کو عزت دار اور نجیب نہیں گردانتا تها، غالب کو تو شیخي بگهارنے کے لئے اپنا فرضي استاد ملا عبدالصمد تک ایران سے امپورٹ کرنا پڑا، قبلہ کے بزرگوں نے جب بے روزگاري اور عسرت سےتنگ آکر وطن چهوڑا تو انکهیں نم اور دل گدزار تهے، بار بار اپنا دست افسوس زانوئے اسپ پر مارتے اور ایک راوي شیوہ بیان کے بقول ایک دوسرے کي داڑهي پر ہاته پهیر کر استغفراللہ، استغفراللہ کہتے، تازہ ولایت جس سے ملے ، اپنے حسن اخلاق سے اس بات کا دل جیت لیا۔
پہلے جاں، پهر جان جاں، پهر جانے جانہ هوگئے،پهر ہي پیارے لوگ بتدریج،پہلے خاں، پهر خان خاں، پهر خان خاناں هوگئے،حویلي کے آر کي ٹیکچیر کي طرح قبلہ کے امراض بهي شاہانہ هوتے تهے، بچپن میں دائیں رخسار پر غالبا آموں کي فصل میں پهنسي نکلي تهي، جس کا داغ هنوزباقي تها، فرماتے تهے، جس سال میرے یہاورنگ زیبي پهوڑا نکلہ، اسي سال بلکہ اسي هفتے میں ملکہ وکٹوریہ رانڈ هوئي، ساٹه کي پیٹهے میں آئے تو شاهجہانے حبس بول میں مبتلا هوگئے، فرماتے تهے کہ غالب مغل بچہ تها، ستم پیشہ ڈومني کو اپنے زهر عشق سے مار ڈالا، مگر خود اسي، گویا کہ میرے والے عارضے میں مرا، ایک خط میں مرقوم هے کہ جرعہ جرعہ پیتا هو اور قطرہ

قطره خارج کرتا هوں، دمے کا دورہ ذرا تهمتهما تو قبلہ بڑے فخر سے فرماتے کہ فیضي ککو بهي یہي مرض لاحق تها، اس نے ایک قطعےمیں کہا هے، کہ وہ دوعالم میرے سینے میں سما گئے، مگر آدها سانس کسي طور پر نہیں سمارہا، اپنے والد مرحوم کے با رے میں فرماتے تهے، کہ راج روگ یعني اکبري سنگر هني میں انتقال فرمایا، مراداس سے آنتوں کي ٹي بي تهي، مرض تومرض قبلہ کي ناک تک اپني نہیں تهي، یوناني بتاتے تهے۔

مردہ از غیب بروں آیدو کارے بکند

قبلہ کو دو غم تهے، پہلے غم ک ذکر بعد میں آئے گا، کہ وہ جاں گسل تها، دوسرا غم دراصل اتنا ان کا اپنا نہیں جتنا بیوي کا تها جو بیٹے کي تمنا میں گهل رهي تهي، اس غربت نے بڑي منتیں مانیں ، قبلہ کو شربت میں نقش گهول گهول کر پلائے ، ان کے تکیے کے نیچے تعویز رکهے، چهپ چهپ کر مزاروں پر چاردریں چڑهائیں، ہمارے ہاں لوگ جب زندوں سے مایوس هوجاتے هیں، تو ایک هي آس باقي رہ جاتي هے،مردہ از غیب بروں آیدوکارے بکند۔
پچاس میل کے دائرے میں کوئي مزار ایسا نہ بچا جس کے سرهانے کهڑے هوکر وہ اس طرح پهوٹ پهوٹ کر نہ روئي هوں، کہ اہلقبر کے پسماندگان بهي تدفین کے وقت یوں نہ روئے هوں گے، اس زمانے کے اهل القبور ، صاحب کرامات هوں یا نہ هوں کم ازکم قبر کے اندر ضرور هوتے تهے، آج کل جیسا حال نہیں تها کہ مزار اگر خالي ازمیت هے تو غنیمت جانیے، ورنہ اللہ جانے اندر کیا دفن هے ، جس کا اس دهوم سے عروس شریف منایا جارها هے، کوئي دن نہیں جاتا کہ کراچي کے اخباروں میں ایسے اشتہارات نہهوں کہ آج فلاں کا آسانہ عالیہ پر چادر شریف چڑہائي جارهي هے، پانچ بجے گاگر شریف، جلوس کیشکل میں لے جائي جائے گي، پهر اس سے مزار شریف کو غسل دیا جائےگا، بعد نماز مغرب لنگر شریف تقسیم هوگا، هم نے بعض نودریافت بزرگوں کے نوتعمیر مزاروں کے ضمن میں تشریف پر تاکید اتنا زور دیکها کہ دل میں طرح رح کے وسوسے اٹهنے لگے، ، هم نہ ضعیف العتقاد هیں،نہ وهابي ، لیکن کراچي کے مزار کے بارے میں جو ہمارے سامنے پر هوا هے ، هم باعلان یہ تسلیم کرتے هین کہ اس متعلق هر چیز شریف هے سوائے صاحب مزار کے۔
خیر یہ تو ایک جملہ متعر ضہ تها جو جواني میں پهیل کر پورا پیرا بن گیا، عرض یہ کرنا تها کہ قبلہ خود کو کسي زندہ پیر سے کم نہیں سپجهتے تهے، انهیں جب پتہ چلا کہ بیوي اولاد نرنیہ کي منت مانگنے چوري چهپے نا محرموں کے مزار پر جانے لگي هیں،تو بہت ناراض هوئے ، وہ جب بہت خفا هوتے تو کهانا چهوڑدیتے تهے، حلوائي کي دکان سے ربڑي ، موتي چور کے لڈوں اور کچهوري لاکر کها لیتے، دوسرے دن بیوي کا نسي کے رنگ کا دوپٹہ اوڑہ لیتیں اور انکے پسندیدہ کهانے یعني دو پیاز ، ڈیوڑهي شکر والا زردہ، بہت تیز مچوں کے ماش کے دهي بڑے کهلا کے انهیں منا لتیں، قبلہ اٹهي

مرغوبات پر اپنے ایراني اور عربي النسل بزرگوں کي نیاز دلواتے، البتہ ان دھي بڑوں میں مرچیں برائے نام ڈالواتے ، مزاروں پر حاضري پرقد غن بڑھ جاتا، بیوی بہت روئیں دہوئیں تو قبلہ کچھ پگھلے ، مزاروں پر جانےکي اجازت دے دي ، مگر اس شرط پر مزار کا مکین ذات کا کمبوہ نہ ہو، کمبوہ مرد اور غزل گو شاعر سے پردھ لازم ھے، خواہ مردہ ھي کیوں نہ ھوں، میں ان کے رگ وریشہ سے واقف ھوں، ان کے دشمنوں سے روایت ھےکہ قبلہ خود بھي جواني میں شاعر اور نہہیال کے طرف سے کمبوھ تھے، اکثر فرماتے مرگ کمبوہ جشنے دارد۔

کٹ کھنےبلاؤ کے گلے میں گھنٹي

رفتہ رفتہ بیوي کو صبر آگیا، ایک بیٹي تھي، قبلہ کو وہ عزیز سے عزیز تر ھوتي چلي گئي، انھیں اس حد تک صبر آگیا ،کہ اکثر فرماتے ، خدا بڑا رحیم و کریم ھے، اس نے بڑا فضل کیا بیٹا نہ دیا، اگر مجھ پر پڑتا تو تمام عمر خوار ھوتا اور اگر نہ پڑتا تو عاق کردیتا۔
سیاني بیٹي، کتني بھي چہیتي ھو،، ماں باپ کي چھاتي پر پہاڑ ھوتي ھے، لڑکي، ضرورت رشتہ کي اشتہاري اصطلاحوں کے مطابق ، قبول صورت، سلیقہ شعار، خوش اطوار، امور خانہ، داري سے بخوني واقف ، لیکن کس کي شامت آئي تھي، کہ قبلہ کي بیٹي کا پیام دے، ھمیں آتش نمر دو میں کود نے کا ذاتي تجربہ نہیں، لیکن وثوق سے نہیں کہہ سکتے،ھیں کہ آتش نمرود میں بے خطر کود نے سے کہیں زیادہ خطرناک کام نمردو کے شجرہ نسب میں کود پڑنا ھے،جیسا کہ پہلے عرض کرچکے ھیں، قبلہ ھمارے دوست بشارت کے پھوپا، چچا اور اللہ جانے کیا کیا لگتے تھے، دکان اور مکان دونوں اعتابر سے پڑوسیبھي تھے، بشارت کے والد بھي رشتے کے حق میں تھے، لیکن رقعہ بہیجنے سے صاف انکر کردیا کہ بہو کے بغیر پھر بھي گزارا ھوسکتا ھے، لیکن ناک اور تانگ کے بغیر تو شخصیت نا مکمل سي ھوگي، بشارت نے ریل کي پٹڑي سے خود کو بند ھوا کر بڑي لائن کے انجن سے اپني خود کشي کي دھمکي دي، رسیوں سے بندھوانے کے بعد شرط خود اس لیے لگا دي، کہ عین وقت پر اٹھ کر بھاگ نہ جائیں، لیکن ان کے والد نے صاف کہہ دیا کہ اس کٹ کھنے بلاؤ کے گلے میں تمھي گھنٹي ڈالو۔قبلہ مد بغ بد لحاظ منه پھٹ مشہور ہي نہیں تھے بھي، وھ دل سے ---بلکہ بے دلي سے بھي---- کسي کي عزت نہیں کرتے تھے، دوسرے کو حقیر سمجھنے کا کچھ نہ کچھ جواز ضرور نکال لیتے مثلا کسي کي عمر ان سے ایک مہینے بھي کم ھو تو اس کو لونڈا اور اگر ایک سال زیادہ ھو تو بڑہو۔

ب و س ہ اور چار نقطے

بشارت نے ان دنوں بي اے کا امتحان دي کیا تھا اور پاس ھوني کا امکان ، بقول

ان کے ، ففٹي فٹي تھا، ففٹي فٹي اتنے زور سے اور فخريہ انداز ميں کہتے تھے، گويا اپني کانٹا تول نصفا نچف نالائقي سے ممتحن کو کڑي آزمائش ميں ڈال ديا ھے، فرصت ھي فرصت تھي، کيرم اور کوٹ پيس کھيلتے تھے، روحوں کو بلاتے اور ان سے ايسے سوالات کرتے کہ زندوں کو شرم آجائے، کبھي دن بھر بيٹھے نظير اکبر آبادي کے کليات ميں وہ نقطے والے بلينک پر کرتے جو منشي نول کشور پريس نے بہ تقاضا ے تہذيب و تعغريرات هند خالي چھوڑ ديے تھے، گفتگو ميں هر جملے کے بعد شعر کا ٹھيکا لگاتے، افسانہ نوسيي کي مشق و مشقت بھي جاري تھي، نياز فتح پوري کي اطلسي فقره طرازي اور ابوالکلام کي جھومتي جھامتي گج گامني نثر کي چھاپ ، ايک انھي پر موقوف نہيں، اچھے اچھوں کي طرز تحرير پر تھي، بعض پر ماتھےکےجھومر کے مانند ،کچھ پر دھوبي کےنشان کي طرح اور کچه پر اس طرح جيسے انگريز ملاح اپني محبوباؤں کي تصويريں جسم پر گد واليتے ھيں، جب ذرا گردن جھکائي ديکه لي، کسي کي محتاجي نہيں، اردو نثر اس زمانے مين فيل پا ميں مبتلا تھي، اس ميں کچه افاقہ هوا تو معجون فلک سي کھا کر ٹيگوري ادب پاروں کے اڑن غاليچے پر سوار هوگئي، بشارت ايک افسانےکا کلا ئمکس کچه اس طرح تھا۔

انجم آرا کي حسن آفرنيوں، سحر انگيزوں، اور حشر سامانيوں سے شام جان معطر تھا،وه لغزيدہ قدموں سے آگے بڑھياور فرط حيا سے اپني اطلسي بانھوں کو اپني ہي دزيدہ دزديدہ آنکھوں پ رکھا، سليم ني انجم آرا کے دست حنائي کو اپنے آہني ہاته ميں لے کر پتھرائي هوئي آنکھوں سے اس کي هير تراش کلائي اور ساق بلوريں کو ديکھا اور گلنار سے لبوں پر ---- چار نقطے ثبت کرديے، اس زمانے ميں لفظ بوسہ فحش سمجھا جاتا تھا، لہذا اس کي جگہ نقطے لگا دئيے جاتے تھے، بشارت گن کر اتنے ھي نقطے لگاتے جب جن کي اجازت اس وقت کے حالات، حيايا هيرون نے دي هو، ہميں اچھي طرح ياد ھے کہ اس زمانے ميں انجمن ترقي اردو کے رسالے ميں ايک مضمون چھپا تھا۔ اس ميں جہاں جہاں لفظ بوسہ آيا وہاں مولوي عبدالحق نے بربنائے تہذيب اس کے هجے يعني ب س و ه چھاپ کر الٹا اس کي لذت و طوالت ميں اضافہ کرديا، يہاں ہميں ان کا يا اپني حبيب ليب کي طرز نگارش کا مذاق اڑانا مقصود نہيں، هر زمانے کا اپنا اسلوب اور آهنگ هوتا ھے، لفظ کبھي انگر کھا کر، کبھي عباع عمامہ، کبھي ڈنر جيکٹ يا فولس کيپ ، کبھي پير ميںپائل يا بيڑي پہنے نظر آتے تھے، اور کبھي کوئي مداري اپني قاموسي ڈگڈگي بجاتا ھے تو لفظوں کے سدھے سدھائے بندر ناچنے لگتے ھيں۔يہ غريب الديار عہد ، نا آشنائےعصر، بيگانہ خويش، نمک پروده ريش، خرابہ حسرت کہ موسوم بہ احمد، مد عو بابي الکلام ١٨٨٨ءمطابق ذوالجحہ١٣٠٥ھ ميں هستي عدم سے اس عدم هستي ميں وارد هوا اور تہمت حيات سے متہم۔

اب لوگ اس طرح نہيں لکھتے، اس طرح پيدا بھي نہين هوتے، اتني خجالت، طوالت و ذايت تو آج کل سيز يرين پيدائش ميں بھي نہيں هوتي۔

کوہ آتش فشاں میں چھلانگ

بالآخر ایک سہاني صبح بشارت نے بقلم خود رقعہ لکھا اور رجسٹري سے بھجواديا، حالانکہ مکتوب اليہ کے مکان کي ديوار ملي ہوئي تھي، رقعہ ۲۳صفحات اور کم و بيش پچاس اشعار پر مشتمل تھا، جن ميں سے آدھے اپنے اور آدھے عندليب شاداني کے تھے، جن سے قبلہ کے برادرانہ مراسم تھے، اس زمانے ميں رقعے زعفران سے لکھے جاتے تھے،ليکن اس رقعے کے ليے تو زعفران کا ايک کھيت بھي ناکافي ھوتا لہذا صرف القاب و آداب زعفران سے اور بقيہ مضمون سرخ روشنائي سے زيڈ کے موٹے نپ سے لکھا ، جن حصوں پر بطور خاص توجہ دلاني مقصود تھي ، انھيں نيلي روشنائي سے باريک حروف ميں لکھا، مدعا اگرچہ گستاخانہ ليکن لہجہ برابر فدويانہ اور مضمون بے حد خوشامدانہ تھا، قبلہ کے حسن اخلاق، شفقت، خوش خوئي، خوش معا ملگي، صلہ رحمي، نرم گفتاري، مردانہ وجاہت ......مختصر يہ کہ ھر اس خوبي کي جي کھول کر تعريف کي جس کا شائبہ تک قبلہ کے کردار ميں نہ تھا، ساتھ ساتھ قبلہ کے دشمنوں کے نام بانام ڈٹ کر برائي کي، ان کي تعداد اتني تھي کہ۲۳ صفحات کے کوزے ميں بند کرکے کھرل کر نا انھي کا کام تھا، بشارت نے جي کڑا کر کے يہ تو لکھ ديا کہ ميں شادي کرنا چاہتا ھوں، ليکن اس وضاحت کي ہمت نہ پڑي کہ کس سے، مضمون بے ربط وثروليد سہي ليکن قبلہ اپنے حسن سيرت اور دشمنوں کي حر مزدگيوں کے بيان سے بہت خوشي ہوئي، اس سے پہلے ان کو کسي نے وجہيہ بھي نہيں کہا تھا کہ دو دفعہ پڑھ کر اپنے منشي کو پکڑا ديا کہ تم ھي پڑھ کر بتاؤ صاحب زادے کس سے نکاح کرنا چاھتے ھيں، اوصاف تو ميرے بيان کيے جا رھے ھيں۔

قبلہ دير تک اپنے مبينہ اوصاف حميدہ پر دل ہي دل ميں اترايا کيے، گليشيئر تھا، کہ پگھلا جارہا تھا، مسکراتے ہوئے منشي جي سے گويا ہوئے، بعضے بعضے بے استادے شاعر کے اشعار ميں کبھي کبھي الگ گرتا ہے، اس کے اشعار ميں تو الفسے لے کر ے تک سارے حروف تہجي ايک دوسرے پر گرے پڑے ھيں، جيسے عيدہ گاہ ميں نمازي ايک دوسرے کي کمر پر رکوع و سجود کرھے ھوں۔بشارت کي جرات رندانہ کي کہاني جس نے سني ششدر رہ گيا، خيال تھا کہ کوہ آتش فشاں پھٹ جائے گا، قبلہبي اگر ازراہ تر حم سارے خاندان کو قتل نہيں کيا تو کم از کم ھر ايک ٹانگيں ضرور توڑديں گے، يہ سب کچھ نہيں ھوا قبلہ نے بشارت کو اپني غلامي قبول کرليا۔

روان کيوں مارا گيا؟

قبلہ کي دکان داري اور اس کي لائي ھوئي آفتوں کي ايک مثال ھوتو بيان کريں ، کوئي گاہک اشارہ يا کنايتہ بھي ان کي کسي بات يا بھاؤ پر شک کرے تو پھع

اس کي عزت ہي نہيں، ہاتھ پير کي بھي خير نہيں، ایک دفعہ عجلت ميں تھے، لکڑي کي قيمت چھوٹتے ھي دس روپے بتادي، ديہاتي گاہک نے پونے دس لگائے اور یہ گالي ديتے ھوئے مارنے کو دوڑے کہ خت گنورا کو اتني جرات کيسے ھوئي، دکان ميں ایک ٹوٹی ھوئي چار پائي پڑي رھتي تھي، جس کے بانوں کو چرا چرا کر آرا کھينچنے والے مزدور چلم ميں بھر کے سلفے کے دم لگاتے تھے، قبلہ جب باقاعدہ مسلح ھو کر حملہ کرناچاھتے تو اسچارپائي کا سيروا يعني سرھانے کيپٹي نکال کر اپنے دشمن يعني گاہک پر جھپٹتے،اکثر سيروے کو پچکارتے ھوئے فرماتے عجب سخت جان ھے، آج تک اس ميں فريکچر نہيں ھوا،لٹھ رکھنا بزدلوں اور گنواروں کا وتيرہ ھے، اور لاٹھي چلانا، قصائي ، کنجڑوں ، غنڈوں، اور پوليس کا کام ھے، استعمال کے بعد سيروے کي فرسٹ ايڈ کرکے يعني انگوچھے سے اچھي طرح جھاڑ پونچھ کر واپس بھلنگے ميں لگا ديتے، اس طريقہ واردات ميں غالبا یہ حکمت عملي پوشيدہ تھي، کہ چار پائي تک جانے اور سيروا نکالنے کے وقفے ميں اگر غصے کو ٹھنڈا ھونا ھے تو ھو جائے، اور اگر ان کے معتوب کي بينائي اور عقل زائل نہيں ھوئي ھے تو وھ اپني ٹانگوں کے استعمال ميں مزيد بخل سے کام نہ لے، ایک قديم چيني کہاوت ھے کہ لڑائي جو ۳۸۰ پينترے داناؤں نے گنوائے ھيں، ان ميں جو پينترا سب سے کارآمد بتايا گيا ھے، وھ یہ ھے کہ بھاگ لو اس کي تصديق ھندو يا مالاسے بھي ھوتي ھے، روان کے دس سر اور بيس ہاتھ تھے، پھر بھي مارا گيا، اس کي وجہ ھماري سمجھ ميں تو یہي آئي ھے، کہ بھاگنے کے ليے صرف دو ٹانگيں تھيں،حملہ کرنے سے پہلے قبلہ کچھ دير خوخياتے تاکہ مخالف اپني جان بچانا چاھتا ھوں توبچا لے جائے، فرماتے تھے، آج تک ايسا نہيں ھوا کہ کسي شخص کي ٹھکائي کرنے سے پہلے ميں نے اس گالي دے کر خبردار نہ کيا ھو،کيا شعر ھے وھ بھلا سا؟ ہاں پشہ سے سيکھے شيوہ مردانگي کوئي جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دےانساني کردار ميں مچھر کي صفات پيدا کرکے اتنا فخر کرتے ھيں ھم نے انھي کو ديکھا ، پروفيسر قاضي عبدالقدوس، ايم اے ، بے ٹي ني ان کے خيالات سےمتاثر ھو کر اپنےدو بقراطي ليکچروں کے مجموعے بعنوان خطابات چاکسو کي آؤٹ لائن بنائي، مشرقي شعر و روايت ميں پشہ کا مقام تاريخي تناظر ميں معروضي زاويے سے اور موازنہ پشہ و شاھين ہمارے قارئين ماشاالله عاقل ھيں، اشارے کي بھي ضرورت نہيں کہ ميدان کس کے ہاتھ رھا۔

ھوں لائق تعزير، یہ الزام غلط ھے

قبلہ کي ھيبت سب کے دلوں پر بيٹھي تھي، بجزدائيں جانب والے دکان دار کے ، وھ قنج کا رھنے والا، نہايت خود سر، ہتھ چھٹ، بد معاملہ اور بد زبان آدمي تھا، عمر ميں قبلہ سے بيس سال کم ھوگا، يعني جوان اور سرکش، چند سال پہلے تک اکھاڑے ميں باقاعدہ زور کرتا تھا، پہلوان سيٹھ کہلاتا تھا، ایک دن ايسا ھوا

کہ ایک گاھک قبلہ کي سرحد میں ٣/٤ مرتبہ ھوچکا تھا، کہ پہلوان سیٹھ اسے پکٹ کر گھسیٹتا ھو اپني دکان میں لے گیا اور قبلہ مہاراج مہاراج پکارتے رھے، کچھ دیر بعد وہ اس کي دکان میںگھس کر گاھک کو چھڑا لانے کي کوشش کرر ھے تھے، کہ پہلوان سیٹھ نے ان کو وہ گالي دي جو وہ خود سب کو دیا کرتے تھے۔
پھر کیا تھا قبلہ نے اپنے اسلحہ خانہ خاص یعني چار پائي سے پٹي نکالي اور ننگے پیر دوڑتے ھوئے اس کي دکان میں دوبارہ داخل ھوئے، گاھک نے بیچ بچاؤ کرانے کي کوشش کي اور اولین غفلت میں اپنا دانت تڑوا کر مصالحتي کاروائي سے ریٹائرڈ ھوگیا، دریدھ دہن پہلوں سیٹھ دکان چھوڑ کر بگٹٹ بھاگا، قبلہ اس کے پھیچے سر پٹ، تھوڑي دور جاکر اس کا پاؤ ریل کي پٹري میں الجھا اور وہ منہ کے بل گرا قبلہ نے جا لیا، پوري طاقت سے ایسا وار کیا کہ پٹي کے دو تکڑے ھوگئے، معلوم نہیں اس چوٹ سے آئي ریل کي پٹري پ رگرنے سے، وہ دیر تک بے ھوش پڑا رھا، اس کے گرد خون کي نلیا سي بن گئي۔ پہلوان سیٹھ کي ٹانگ کے ملٹي پل فریکچر میں کنگریں ھوگیا اور تانگ کاٹ دي گئي، فوگداري مقدمہ بن گیا، اس نے پولین کو خوب پیسا کھلایا اور پولین نے دیرینہ عدالت کي بنا پر قبلہ کا اقدام قتل میں چالان پیش کردیا، تعزیرات ھند کي اور بہت سے دفعات بھي لگادیں، لمبي چوڑي فرد جرم سن کر قبلہ فرمانے لگے کہ ٹانگ کا نہیں ،تعزیرات ھند کا ملٹي پل فریکچر ھوا ھے، پولیس گرفتار کرکے لے جانے لگي تو بیوي نے پوچھا اب کیا ھوئے گا؟ کندھے اجکاتے ھوئے بولےدیکھیں گے، عدالت مجسٹریٹي میں بیچ بچاؤ کرنے والے کا گاہک کا دانت اور آلہ قتل یعني چار پائي مع خون پلائي ہوئي پٹي کے طور پیش ھوئے، مقدمہ سیشن سپرد ھوگیا، قبلہ کچھ عرصے ریمانڈ پر جوڈیشنل حوالات میں رھے تھے، اب جیل میں باقاعدہ خونیوں ، ڈاکوؤں ، جیب کتروں اور عادي مجرموں کے ساتہ رھنا پڑا، تین چار مچٹیوں کے بعد وہ بھي قبہ کو اپنا چچا کہنے اور ماننے لگے۔ ان کي طرف سے یعني بحثیت وکیل صفائي کانپور کي ایک لائق بیرسٹر مصطفے رضا قریشي نے پیروي کي، مگر وکیل اور موکل کا کسي ایک نکتے پر بھي اتفاق رائے نہ ھوسکا، مثلا قبلہ بضد تھےکہ حلف اٹھا کر بیان دوں گا مضروب نے اپني ولدیت غلط لکھوائي ہے، اس صورت اپنے باپ سے نہیں، باپ کي ایک اوباش دوست سے ملتي ہے، بیرسٹر موصوف یہ موقف اختیار کرنا چاھتے تھے، کہ چوٹ ریل کي پٹري پر گرنے سے آئي ہے، نہ کہ ملزم کي مبینہ ضرب سے، ادھر قبلہ کمرہ عدالت میں فلمي بیرسٹروں کي طرح طرح ٹہل ٹہل کراور کٹہر ے کو جنھجھوڑ جنھجھوڑ کر یہ اعلان کرنا چاھتے تھے کہ میں سپاھي بچہ ھو، دکان دار میرے لیے ذریعہ عزت نہین رھي بلکہ عر صہ دراز سے ذریعہ آمدني بھي نہیں رھا، ٹانگ پر وار کرنا ھماري شان سپہ گري اور شیوہ مردانگي کي توھین ھے ، میں تو دراصل اس کا سر پاش پاش کرنا چاہتا تھا، لہذا اگر مجھےسزا دیني ہي تو ٹانگ توڑنےکي نہیں،

غلط نشانے کي ديجئے هوں لائق تعزير ، يہ الزام غلط هے۔

ايام اسيري اور جوں کا بلڈ ٹيسٹ

عدالت ميں فوجداري مقدمہ چل رہا تھا، قرائن کہتے تھے کہ سزاهوجائے گي اور خاچي لمبي ، گھر ميں هر پيشي کے دن رونا پيٹنا مچتا، اعزاہ اور احباب اپني جگہ پريشاناور سرا سيمہ کہ ذرا سي بات پر يہ نوبت آگئي، پوليس انهيں هتھکڑي پہنا کر پورے شہر کا چکر دے کر عدالت ميں پيش کرتي اور پہلوان سيٹھ سے حق الخدمت وصول کرتي، بھولي بھالي بيوي کو يقين نہيں آتا تھا، ايک ايک سے پوچھتيں بھيا کيا سچ مچ کي هتھکڑي پہنائي تھي؟ عدالت کے اندر اور باہر قبلہ کے تمام دشمنوں يعني سارے شهر کا ہجوم هوتا ، سارے خاندان کي ناک کٹ گئي، مگر قبلہ نے کبھي منه پر توليا اور ہتھکڑي پر رومال نہيں ڈالا، گشت کے دوران مونچھوں پر تاؤ ديتے تو ہتھکڑي جھن جھن جھن جھن کرتي، رمضان آيا تو کسي نہ مشورہ ديا کہ نماز روزه شروع کرديجئے، اپنےکان هي پور کے مولانا حسرت موهاني تو روزے ميں چکي بھي پيستے تھے، قبلہ نے بڑي ہقارت سے جواب ديا لاحول ولا قوتہ ميں شاعر تھوڑا هي هوں، يہ نام هوگا غم روزگار سہ نہ سکا۔بيوي نے کئي مرتبہ پچھوايا اب کياهوئے گا؟، هر بار ايک هي جواب ملا ديکه ليں گے۔طيش کے عالم ميں جو بات منه سے نکل جائے يا جو حرکت سرزد هو جائے، اس پر انهيں کبھي نادم هوتے نہيں ديکھا، فرماتے تھے، کہ آدمي اصل کردار کي جھلک تو طيش کے کوندے ميں ہي دکھائي ديتي هے ، جناجہ اپنے کسي کرتوت يعني اصل کردار پر پشيمان يا پريشان هونے کو مردوں کي شان کے خلاف سمجھتے تھے، ايک دن ان کا بھتيجا شام کو جيل ميں کھانا اور جوئيں مارنے کي دوا دے گيا، دوا کے اشتہار ميں لکھا گيا تھا، کہ اس کے ملنے سے جوئيں اندهي هوجاتيں هيں، پھر انهيں آساني سے پکڑ کر مارا جاسکتا هے ، جوں اور لکيه مانے کي مروجہ ترکيب بھي درج تھي، يعني جو کو بائيں ہاته سے کے انگھوٹے پر رکھو اور دائيں انگوٹھے کے ناخن سے چٹ سے کچل دو، اگر جون کے پيٹ سے کال يا گھر اعنابي خون نکلے تو فورا اکسير جالينوس مصفي خون پي کر اپنا خون صاف کيجئے، پرچے ميں يہ هدايت بھي تھي، کہ دوا کو کورس اس وقت جاري رکھا جائے جب تک جوں کے پيٹ سے صاف شده خون نہ نکلنے لگے،قبلہ نے جنگلے کي طرف اشارے سے بھتيجے کو کہا کہ اپنا کان ميرے منه کے قريب لاؤ، پھر اس سے کہا کہ برخور دار زندگي کا کوئي بھروسہ نہيں، دنيا اس جيل سميت، سرائے فاني هے، غور سے سنو، يہ ميرا حکم بھي هے، اور وصيت بھي، لوہے کي الماري ميں دو هزار روپے آڑے وقت کے ليے ردي کے اخباروؤ کے نيچے چھپا آيا تھا، يہ رقم نکال کر الن شهر کا نامي غنڈه کو دے دينا، اپني چچي کو ميري طرف سے دلاسا دينا، الن کو ميري دعا کہنا اور يہ کہنا کہ ان چھوں کي ايسي ٹھکائي کرے کے گھر والے صورت نہ پهچان سکيں، يہ کہ کر اخبار کا ايک ملس هوا پرزه

بتھیجے کو تھما دیا، جس کے شیے پر ان چه گواھان استغاثہ کے نام درج تھے جن کو پٹوانے کا انھوں نے جیل میں اس وقت منصوبہ بنایا تھا، جب ایسي حرکت پر انھیں آج کل میں سزا ھونے والي تھي۔
ایک دفعہ اتوار کو ان کا بھتیجا جیل میں ملاقات کیلئے آیا اور بولا کہ جیلر تک بآساني وفارش پہنچائي جاسکتي ھے ، اگر آپ کا جي کسي خاص کھانے مثلا زردہ یا دھي بڑے ، شوق کي مثنوي، سگریٹ یا مھوے کے پان کو چاھے تو چوري چھپے ھفتے میں ایک بار آساني سے پہنچایا جاسکتا ھے، چچي نے تاکید سے کہا ھے، عید نزدیک آرھي ھے رورو کر آنکھیں سجالي ھیں۔

ایام اسیري اور جوں کا بلڈ ٹیسٹ

قبلہ نے جیل کے کھدر کے نیکر پر دوڑتا ھوا کھٹمل پکڑتے ھوئے کہا مجھے قطعي طور کسي چیز کي حاجت نہیں، اگلي دفعہ آؤ تو سراج فوٹو گرافرسے حویلي کا فوٹو کہنچوا کر لانا کئیمہینے ھوگئے دیکھے ھوئے، جدھر تمہاري چچي کے کمرے کي چق ھے ، اس رخ سے کھینچتو اچھي لگے گي۔سنرتي نے زمین پر زور سے بوٹ کي تھاپ لگاتے اور تھر ناٹ تھري کي رائفل کا کندھ بجاتے ھوئے ڈپٹ کر کہا ملاقات کا وقت ختم ھوگیا، عید کا خیال کرکے بتھیجے کي آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے نظریں نیچي کرلیں،اس کے ھونٹ کانپ رھے تھے، قبلہ نے اس کا کان پکڑا اور کھینچ کر اپنے منه تک لانے کے بعد کہا، ہاں ھوسکے تو جلد ایک تیز چاقوکم از کم چه انچ کے پھل والا، ڈبل روٹي یا عید کي سویوں میں چھپا کر بھجوادو، دوم ، بمبي میں پینٹینگولر شروع ھونے والا ھے ، کسے ترکیب سے مجھے روزانہ اسکور معلوم ھو جائے تو واللہ ھر روز عید ھو، ھر شب شب برات، خصوصا وزیر علي کا اسکور دن کے دن معلوم ھو جائے تو کیا کہنا۔
سزا ھوگئي، ڈیڑھ سال قید بامشقت، فیصلہ سنا، سراٹھا کر اوپر دیکھا ،گویا آسمان سے پوچه رھے ھوں تو دیکه رھا ھے ،کیا ھو رھا ھے، پولیس نی ہتھکڑي ڈالي ، قبلہ نے کسي قسم کے رد عمل کا اظہار نہیں کیا ، جیل جاتے وقت بیوي کوکہلا بھیجا کہ آج میرے جد اعلي کي روح پر فتوح کتني مسرور ھوگي، کتني خوش نصیب بي بي ھوتم کہ تمہارا دولھا جي ہاں ہي الفاظ استعمال کیا تھا، ایک حرامزادے کي ٹھکائي کرکے مردون کا زیور پہنےجیل، جارہا ھے، لکڑي کي ٹانگ لگوا کر گھر نہیں آرھا، دو رکعت نماز شکرانے کي پڑھنا ، بھتیجے کو تاکید کي کہ حویلي کي مرمت کراتے رہنا، اپني چچي کا خیال رکہنا، ان سے کہنا یہ دن بھي گزر جائیں گے، دل بھاري نہ کریں اور جمعے کوکانسي دوپٹا اوڑہنانہ چھوڑیں۔بیوي نے پھچوایا اب کیا ھوئے گا؟،جواب ملا دیکھا جائے گا۔

ٹارزن کي واپسي

دو سال تک دکان ميں تالا پڑا رہا،لوگوں کا خيال تھا، جيل سے چھوٹنے کے بعد چپ چپاتے کہيں اور چلے جائيں گے، قبلہ جيل سے چھوٹے، ذرا جو بدلے ہوں، ان کي ريڑھ کي ھڈي ميں جو جوڑ نہيں تھے جاپاني زبان ميں کہاوت ھے کہ بندر درخت سے زمين پر گر پڑے ،پھر نھي بند ھي رھتا ہے، سو وھ بھي ٹارزن کي طرح چيختے ہوئے جيل سے نکل کر سيدھے اپنے آبائي قبستان گئے، والد کي قبر کي پاک پائينتي کي خاک سر پر ڈالي، فاتحہ پڑھي اور کچھ سوچ کر مسکرا ديے۔
دوسرے دن دکان کھولي، کيبن کے باہر ايک بلي گاڑ کراس پر ايک لکڑي کي ٹانگ بڑھئي سے بنواکر لٹکادي، صبح و شام اس کو سي سےکھينچ کر طرح چڑھاتے اوراتارتےتھے، جس طرح اس زمانے ميں چھاؤنيوں ميں يونيں جيک چڑھايا اتار جاتا تھا، جن نادہندوں نے دو سال سے رقم دبا کر رکھي تھي، انھيں ياد دہاني کے دھمکي آميز خطوط لکھے، اور اپنے نام کے دستخط کے ساتھبريکٹ ميں سزا يافتہ لکھا، جيل جاني سے پہلے خطوط ميں خود کو بڑے فخر سے ننگ اسلاف لکھا کرتے تھے، کس کي مجال ن تھي، کس اس سےاتفاق کرے، اتفاق کرے، تو درکنا،مارے ڈر کے اختلاف بھي نہيں کرسکتا تھا، اب اپنےنام کے ساتھننگ اسلاف کے بجائے، سزايافتہ اس طرح لکھنے لگاے جيسے لوگ ڈگرياں يا خطاب لکھتے ھيں، قانون اور جيل سے ان کي جھجھک نکل چکي تھي۔

لب معشوق

اب کے دکانچلي اور ايسي چلي کہ خود انھيں بھي حيرت ہوئي، دکان کے باھر اسي شکار گاھ يعني کيبن ميں اسي ٹھسے سے گاؤں تکيے کي ٹيک لگا کر بيٹھتے ، مگر زاويہ پسر گيا تھا، پيروں کا رخ اب فرش کي بہ نسبت آسمان کي طرف تھا، جيل ميں سکونت پزير ھونے سے پہلے قبلہ گاھک کو ہاتھ کے ملتجيانہ اشارھ سے طلب کرتے تہے، اب صرف انگشت شہادت کے خفيف سے اشارے سے طلب کرنے لگے، انگلي کو اس طرح حرکت ديتے جيسے ڈانواں ڈول پتنگ کو ٹھمکي دے کر اس کا قبلہ دسرت کرھے ھو، حقے کي نسے ميں اب ايک فٹ کا اضافہ کرليا، حقہ اب پيتے کم، گڑگڑاتے زيادھ تھے، بدبودار دھويں ک کا چھالاوا اس طرح چھوڑتے کہ گاھک کي ناک ميں نتھ کي طرح لٹک جائے، اکثر فرماتے واجد علي شاھ، جان عالم پيانے، جوخوب صورت نام رکھنے ميں اپنا ثاني نہ رکھتے تھے، حقے کا کيسا پيارا نام رکھا تھا، لب معشوق ، جو شخص کبھي حقہ کے پاس سے بھي گزرا ھے وھ بخوبي اندازھ لگاسکتا ھے کہ جان عالم پيا کا پالا کيے لبوں سے پڑا ھوگا، چناچہ معزولي کے بعد وھ فقط حقہ اپنے ہمراھ مٹيا برج لےگئے، پري خانے کے تمام معشوق لکھنؤ ميں ہي چھوڑ گئے، اس ليے کہ معشوق کو نيچہ پکڑ کے گڑ گڑايا نہيں جاسکتا۔

بلي پہ لٹکا دوں گا

منشي ديا نرائن نگم کے رسالے زمانہ کے کاتب سے عرفي کا مشہور شعر احاطے کي ديوار پر ڈامر سي لکھواديا؛عرفي تو ميندش زغوغائے رقيباں‌آواز سگاں کم نہ کندر رزق گدا راھميں اس شعر سے نسلي عصبيت اور جانب دار کي بو آتي ھے ،کٹے اگر شعر کہ سکتے تو دوسرا مصرع کچھ يوں ھوتا؛ من يعني پہلوان سيٹھ دکان بڑھا کر کہيں اور چلا گيا، قبلہ بات بے بات ھر ايک کو دھمکي دينے لگے، کہ سالےکو اٹھا کر بلي پر ٹانگ دوں گا، ھيبت کا يہ عالم کہ اشارھ تو بہت دور کي بات ھے ، قبلہ جس گاھک کي طرف نظر اٹھا کر ديکھ ليں، اسے کوئي آواز بھي نہيں ديتا تھا، اگر وھ از خود کسي دوسري دکان ميں چلاجاتا تو دکان دار اسے لکڑي نہيں دکھاتا تھا، ايک دفعہ ايسا بھي ھوا کہ سڑک پر يوں ھي کوئي راہ گير منہ اٹھائے جارھا تھا کہ قبلہ نے اسے انگلي سےاندر آنے کا اشارھ کيا، جس دکان کے سامنے سے وھ گزرھا تھا اس کا مالک اور منيم گھسٹتے ھوئے قبلہ کي دکان ميں دکھيل ديا، اس نے قبلہ سے روہانسا ھو کر کہا ميں تو مول گنج کيپتنگوں کے پيچ ديکھنے جارھا تھا۔

وہ انتظار تھا جس يہ وہ شجر تو نہيں

پھر يکا يک ان کا کاروبار ٹھپ ھو گيا، وہ کڑ مسلم ليگي تھے، اس کا اثر ان کي بزنس پر پڑا، پھر پاکستان بن گيا، انھوں نے اپنے نعرے کو حقيقت بنتے ديکھا ھے، اور دونوں کي پوري قيمت ادا کي، گاھکوں نےآنکھيں پھر ليں ، لکڑ منڈي کے چوھے شير ھوگئے، عزيز و اقارب جن سے وہ تمام عمر لڑتے جھگڑتے اور نفرت کرتے رھے، ايک ايک کرکے پاکستان چلے گئے، تو ايک چھٹکے کے ساتھ يہ انکشاف ھوا کہ وہ ان نفرتوں کے بغير زندھ نہيں رھ سکتے اور جب اکلوتي بيٹي اور داماد بھياپني دکان بيچ کرکر کراچي سدھارے توانہوں نے بھي اپنے خيمے کي طنا بيں کاٹ ليں، دکان اونےپونے ايک دلال کے ہاتھ بيچي، لوگوں کا کہنا تھا بے نامي سودا ھے، دلالکي آڑ ميں دکان دراصل اس ھي لنگڑے سيٹھ نے خريد کر ان کي ناک کاٹي ھے، خفيف سا شبہ تو قبلہ کو بھي ھوا تھا، مگر اپنيبلا سے بوم بسي يا ہمار ھے، والي صورت حال تھي، ايک ھي جھٹکے ميں پيڑھوں کے رشتے ناتے ٹوٹ گئے اور قبلہ نے پرکھوں کي جنم بھوم چھوڑ کر ان کے خوابوں کي سر زمين کا رخ کيا۔

ساري عمر شيش محل ميں اپني مور پنکھ انا کا ناچ ديکھتے ديکھتے، قبلہ ہجرت کرکے کراچي آئےتو نہ صرف زمين اجنبي لگي، بلکہ اپنے پيروں پر نظر پڑي تو وھ بھي کسي اور کے لگے،کھولنے کي تو لي مارکيٹ ميں ھر چند رائے روڈ پر لشتم پشتم دکان کھول لي، مگر بات نہيں بني، گجراتي ميں مثل ھے کہ پرنے مٹکے پر نيا منہ نہيں چڑھايا جاسکتا، آنے کو تو وھ ايک نئي سرسبز زمين ميں آگئے، مگر ان کي بوڑھي آنکھيں پلکھن کوڈھونڈھتي رھيں، پلکھن تو درکنا ، انھيں تو کراچي ميں نيم تک نظر نہ آيا، لوگ جيسے نيم بتاتے تھے، وھ دراصل بکائي تھي،جس کي بنولي کو لکھنؤ ميں حکيم صاحب عالم چيچيش اور بواسير

کے نسخوں میں لکھا کرتے تھے۔وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ شجر تو نہیں،کہاں کانپور کے دیہاتي گاھک، کہا کراچي کے نخریل سا گو ان خریدنے والے، در حقیقت انھیں جس بات سے سب سے زیادہ تکلیف ہوئي وہ یہ تھي، کہ یہاں اپنے قرب و جوار میں ، یعني اپنے سایہ زحمت میں ایک شخص بھي ایس نظر نہیں آیا جسے وہ بے ختر و بے وجہ گالي دے سکیں، ایک دن کہنے لگے، یہاں تو بڑھئي آري کا کام زبان سے لیتا ھے، چار پانچ دن ہوئے ایک دریدہ دہن بڑھئي آےا، اقبال مسیح نام تھا، میں نے کہا ،ابے پرے ہٹ کرکھڑا ہو، کہنے لگا، حضرت عیسي بھي تو رکھان تھے، میں کہا کیا کفر بکتا ھے؟ ابھي بلي پر لٹکادوں گا، کہنے لگا او لوک وي ایہي کہندےساں وہ لوگ بھي حضرت عیسي سے یہي کہتے تھے۔

میر تقي میر کراچي میں

پہلي نظر میں انھوں نے کراچي کو اور کراچي نے ان کو مسترد کردیا تھا، اٹھتے بیٹھتے کراچي میں کیڑے ڈالتے ، شکایت کا انداز کچھ ایسا ھوتا تھا۔خضت یہ مچھر ھے یا مگر مچھ؟ کراچي کا مچھر ڈیڈي ٹي سے بھي نہیں مرتا، صرف قوالوں کي تالیوں سے مرتا ھے، یا غلطي سے کسي شاعر کو کاٹ لے تو باؤلا ھو کر بے اولاد مرتا ھے، نمردو مردوں کي موت ناک میں سے مچھر گھسنے سے واقع ہوئي تھي، کراچي کے مچھروں کا شجرہ نسب کئي نمرودوں کے واسطے سے اسي مچھر سے جا ملتا ھے، اور ذرا زبان تو ملاحضہ فرمائیں میں نے پہلي بار ایک صاحب کو پٹے والے پکارتے سنا تو میں سمجھا اپنے کتے کو بلا رھے ھیں، معلوم ھوا یہاں چپراسي کو پٹے والا کہتے ھیں، ہر وقت کچھ نہ کچھ پھڈا اور لفڑ ھوتا رھتا ھے، ٹوکو تو کہتے ھیں، اردو میں اس صورت حال کیلئے کوئي لفظ نہیں ھے، بھائي میرے اردو میں یہ صورت حال بھي تو نہیں ھے، بمبئي والے لفظ اور صورت حال دونوں اپنے ساتھ لائے تھے، میر تقي میر اونٹ گاڑي میں منہ باندھے بیٹھے رھے، اپنے ھم سفر سے اس لیے بات نہ کي کہ زبان غیر سي اپني زباں بگڑتي ھے، میر صاحب کراچي میںھوتے تو بخدا ساري عمر منہ پر ڈھانا باندھے پھرتے، یہاں تک کہ ڈاکوؤں کا سا بھیس بنائے پھر نے پر کسي ڈکیتي میں دھر لیے جاتے، اماں ٹونک والوں کو امرود کو صفري کہتے تو ھم نے بھي سنا تھا، یہاں مرود کو جام کہتے ھییں اور اس پر نمک مرچ کے بجائے صاحب لگا دیں مراد نواب صاحب لسبیلہ ھوتے ھیں، اپني طرف وکٹوریہ کا مطلب ملکہ ٹوریا ھوتو تھا، یہاں کسي ترکیب سے دس بارہ جنے ایک گھوڑے پر سوري گانٹھ لیں تو اسے وکٹوریہ کہتے ھیں، میں دو دن لاھور رکا تھا، وھاں دیکھا جس بازار میں کوئلوں سے منہ کالا کیا جاتا ھے، وہ ھیرا منڈي کہلاتي ھے، اب یہاں نیا فیشن چل پڑا ھے، گانے والے کو گلوکار اور لکھنے والے کو قلم کار کہنےلگے ھیں، میاں ھمارے وقتوں میں صرف نیکو کا اور بدکار ھوا کرتے تھے، قلم اور

گلے سے یہ کام نہیں لیا جاتا تھا۔

میر تقي میر کراچي میں

میں نے لالو کھیت ، بہار کالوني ، چاقي واڑہ اور گولیمار کا چپہ چپہ دیکھا ھے، چودھ پندرھ لاکھ آدمي اخبار والے اب آدمي کہنے سےشرماتے ھیں، افراد اور نفوس کہتے ھیں، ضرور رھتے ھوں گے، لیکن کہیں کتابوں اور عطریات کي دکان نہ دیکھي، کاغذ تک کے پھول نظر نہ آئے ، کانپور میں ھم جیسے شرفا کے گھروں میں کہیں نہ کہیں موتیا کي بیل ضرور چڑھي ھوتي تھي، خضور والا یہاں موتیا صرف آنکھوں میں اترتا ھے حد ھوگئي، کراچي میں لکھ پتي، کڑوڑ پتي سیٹھ لکڑي اس طرح نپواتا ھے، گویا کم خواب کا پارچہ خرید رھا ھے، لکڑي دن میں دو فٹ بکتي ھے اور برادھ خریدنے والے پچاس میں نے برسون اپلوں پر پکایا ھواکھانا بھي کھایا ھے، لیکن برادے کي انگھیٹي پر جوکھانا پکے گا وھ صرف دو ذخمي مردوں کے چالیسویں کے لیے مناسب ھے۔
بھر پائے ایسي بزنس سے، مانا کہ روپیہ بہت کچھ ھوتا ھے، مگر سبھي کچھ تو نہیں، زرکو خاجت دوا کرنے والا، قاضي الحاجات کہا گیا ھے ، تسلیم، مگر جب یہ خود سب سے بڑي حاجت بن جائے تو وھ صرف موت سے رفع ھوگي، میں نے تو اسے زندگي میں ایسي کافي کھتري لکڑي نہیں بچي، نہ فروختني، نہ سوختني، بڑھئي کي یہ مجال چھاتي پہ چڑھ کر کمیشن مانگے، نہ دو تو مال کو گندے انڈے کي طرح قیامت تک سیتے رھوں، ھائے نہ ھوا کانپور بسولے سےسالے کي ناک اتار کر ھتھلي پر رکھ دیتا کہ جا اپني جروا کو دین مہر میں دے دینا، واللہ، یہاں کا تو باوا آدم ھي نرالا ھے ، سنتا ھوں یہاں کے بازار حسن نیئیر روڈ اور جاپاني روڈ پر شب زادیاں اپنے اپنے درشن دریچوں میں لال بتیاں جلتے ھي خنجراب چھاتیوں کے خوانچے لگا کر بیٹھ جاتي ھیں، فلموں میں بھي اشرف المعلاقات ھي کي نمائش ھوتي ھے، یہتو وھ ھي مثل ھے کہ اوچھے کے گھر تیتر، باھر باندھوں کے بھیتر، جمہوریہ اسلامیہ کي سرکار نے سروکار کچھ نہیں کر سکتي ، لیکن کسي طوائف کو شادي بیاھ میں مجرے کیلے بلانا ھو تو پہلے اسکي اطلاع تھانہ متعلقہکو دیني پڑتي ھے، رنڈي کو مرمٹ راشن کارڈپہ ملتے ھم نے ہیہں دیکھا، نقد عیش عندلطلب نہ ملاتو کس کام کا، درشني منڈیوں کا کیا کام۔مرزا عبد الودود بیگ اس صورت حال کي کچھ اور ھي تاویل کرتے تھے، فرماتے ھیں کہ طوائف کو تھانے سے این او سي اس لیے لینا پڑتا ھےکہ پولیس پوري طرح اطمینان کرلے کہ وھ اپنے دھندے پر ھي جارھي ھے، وعظسننے یا سیاست میں حصہ لینے نہیں جارھي ھے۔ایک دن قبلہ فرمانے لگے ابھي کچھ دن ھوئے کراچي کي ایک نامي گرامي طوائف کا گانا سننے کا اتفاق ھو، اماں اس کا تلفظ ت وچال چلن سے بھي زیادھ خراب نکلا، ھائے ایک زمانہ تھا، کہ شرفا اپنے بچوں کو ادب آداب سیکھنے کے لیے چوک

كي طوائفوں كے كوٹھے پر بهيجتے تهے۔اس باب ميں بهي مرزا سوظن سے كام ليتے هيں، فرماتے هيں كہ طوئفوں كے كوٹھوں پر تو اس ليے بهيجتے تهے، كہ بزرگوں كي صحبت اور گهر كےماہول سے بچے رهے۔

دوڑتا هوا درخت

كراچي شہر انهيں كسي طور پر اور كسي طرف سے اچها نہيں لگا، جهنهلا كر بار بار كہتے اماں يہ شہر هے يا جہنم ؟ مرزا كسي دانا كے قول ميں تصرف بہ جا كركے فرماتے هيں، كہ قبلہ اس دار الحمن سے كوچ فرمانے كے بعد اگر خدانہ خواستہ وهيں پہيچ گئے جس سے كراچي كو تشبيہ ديا كرتے تهے ، تو چاروں طرف نظر دوڑانے كے بعد يہي ارشاد هوگا، كہ هم نے تو سوچا تها، كراچي چهوٹا سا جہنم هے، جہنم تو بڑا سا كراچي نكلا۔ايک دفعہ ان كے ايک بے تكلفي دوست نے ان سے كہا كہ تمهيں معاشرے ميں خرابياں هي خرابياں نظر آتي هے، تو ان پر بيٹھے بيٹھے ان پر كڑهنے كے بجائے ان كي اصلاح كي فكر كرو۔ارشاد فرمايا، سنو ميں نے ايک زمانے ميں پي ڈبليوڈي كےكام بهي كيسے هيں مگر دوزخ كي ايئر كنڈيشنگ كا ٹهيكا نہيں لے سكتا۔بات صرف اتني تهي كہ اپني چهاپ ، تلک اور چهپ چهپوانے سے پہلے وه جس آئينہ ميں خود كو ديكه ديكه كر ساري عمر اتريا كيے، اس مين جب نئي دنيا اور نئے وطن كو ديكها تو وه امتداد زمانہ سے ڈسٹورٹنگ ميرر بن چكا تها، جس ميں هر شكل اپنا هي منه چڑاتي نظر آتي تهي۔
ان كے كاروباري حالات تيزي سے بگڑ رهے تهے، بزنس نہ هونے كے برابر تهي، ان كي دكان كي ديوار پر ايک تازه وصلي آويزاں ديكه كر همیں بڑا دكه هوا۔نہ پوچه حال مرا، چوب خشک صحرا هوں لگا كےآگ جسے كارواں روانہ هوا هم نے ان كا دل بڑهانے كيلے كہا كہ، آپ كو چوب خشک كون كہ سكتا هے؟ آپ كي جواں ہمتي اور مستعدي پر ہميں تو رشک آتا هے ، خلاف معمول مسكرائے، جبسے ڈينچرز ٹوٹے، منه پہ رومال ركه كر هنسنے لگے تهے، كہنے لگے، ہاں مياں آپ جوان آدمي هيں، اپنا تو يہ آحوال هےكہ منفعل هوگئے قوي غالب اب عناصر ميں ابتدال كہاں پهر منه سے رومال هٹاتے هوئے كہا برخور دار، ميں وه درخت هو جو ٹرين ميں جاتے هوئے مسافروں كو دوڑتا هوا نظر آتا هے ۔

ميرے ہي من كا مجه پر دهاوا

يوں وه حتي الامكان اپنے غصے كو كم نہيں هونے ديتے تهے، كہتے تهے ،ميں ايسي جگہ ايک منٹ نہيں رہانا چاهتا جہاں آدميكسي پر غصہ هي نہ هو سكے اور جب انهيں ايسي هي جگہ رهنا پڑا تو وه زندگي ميں پہلي باراپنے آپ سے روٹھے، اب وه آپ هي كڑهتے، اندر هي اندر كهولتے، جلتے، سلگتے، ميرے هي من كا مجه پر دهاوا،ميں هي اگني ميں ہي ايندهن،انهي كا قول هے كہ

ياد کهو، غصہ جتنا کم هوگا، اس کي جگہ اداسي ليتي چلي جائےگي، اور يہ بڑي بزدلي کي بات هے، بزدلي کے ايسے هي ادس لمحوں ميں اپني پناهيں تراش ليں،گويا البم کهل گيا تو دهند لاتے سيپيارنگ کي تصويريں چشم تصور کے سامنے بکهرتي چلي جاتيں، هر تصوير کے ساته زمانے کا ورق الٹے چلا گيا، هر اسنيپ شاٹ کي اپني ايک کہاني تهي، دهوپ ميں ابرق کے ذروں سے جلتي کچي سڑک پر گهوڑوں کے پسينے کي نرمہکار، بهيڑ کے نوزائيدہ بچے کوگلے ميں مفلر کي طرح ڈالے شام کو خوش خوش لوٹتے کسان، چلمنوں کے پهيچے هار سنگهار کے پهولوں سے رنگے هوئے دوپٹے ، ارهر کے هرے بهرے کهيت ميں پگڈنڈي کي مانگ، خشک سالي ميں ساون کے تهوتهے، بادلوں کو رہ رہ کر تکتي نرآس آنکهيں، جاڑے کي اجاڑ راتوں ميں ٹهٹهرتے گيدڑوں کي منحوس آوازيں، چراغ جلے باڑے ميں لوٹتي گايوں کے گلے ميں بجتي هوئي گهنٹياں، کالي بهنورات ميں چوپال کي جلتي بجهتي گشتي چلم پر طويل سے طويل تر هوتے هوئے کش، موتيا کے کجروں کي لپٹ کے ساته کنوارے پنڈے کي بگولا مہکار، ڈوبتے سورج کي زرد روشني ميں تازہ قبر پر جلتي اگر بتي کا بل کهاتا هوا دهواں، دہکتي بالو ميں تڑختے چنوں کي سوندهي لپٹ سے پهڑ کتے هوئے نتهنے، ميونسپلٹي کي مٹيکے تيل کي لالٹين کا بهيکا يہ تهي ان کے گائوں کے ست سگند، يہ ان کے اپنے نافہ ماتي کي مهکار تهي، جو يارون کے دشت ميں دواني پهرتي تهي-

اولتي کي ٹپاٹپ

ستر سالہ بچے کے ذہن ميں تصوريں گڈمڈ وهنے لگتيں، خوشبوئيں، نرماہٹيں اور آوازيں بهي تصوير بن بن کر ابهرتيں، اسے اپنے گائوں ميں مينہ برنسے کي ايک ايک آواز الگ سنائي ديتي ، ٹين کي چهت پر تڑ تڑ بجتے هوئے تاشے، سوکهے پتوں پر کراري بوندوں کو شور، پکے فرش پر جہاں انگل بهر پاني کهڑا هوجاتا وہاں، موٹي بوند گرتي تو ايک موتيوں کا تاج سا هوا ميں اچهل پڑتا، تپتي کهپريلوں پر اڑتي بدلي کے جهالے کي سنسنا هٹ، گرمي دانوں سے اوپڑے بالک بدن پر برکها کي پہلي پهوار، جيسے کسي نے منتهول ميں نهلاديا، جو ان بيٹے کي قبر پر پہلي بارش اور ماں کاننگهے سرآنگن ميں آ آ کر آسمان کي طرف ديهکنا، پهبک اٹهنے کے ليے تيار مٹي پر ٹوٹ کے برسنے والے بادلوں کي هرادل گرم لپيٹ ، ڈهولک پر ساوان کے گيتش کي تال پر بجتي چوڑياں اور بے تال قہقہے سوکهے تلاب کے سرسراتے ريلے، تهوني سے لٹکي هوئي مٹي دراڑوں کو لوازتي جال ميں ترسا ترسا کربرسنے والي بارشوں کے همک کر پرائے آنگن ميں گرتے پر نالے ، آموں کے پتوں پر مجيرے بجاتي نرسل بوچهار اور جهولوں پر پينگيں ليتي دوشيزائيں-

اور پهر رات کے سناٹے ميں پاني تهمنے کے بعد سوتے جاگتے ميں اولتي کي ٹپاٹپ اولتي کي ٹپاٹپ تک پپهنچتے پپهنچتے قبلہ کي آنکهيں جل تهل هوجاتيں،

بارش تو ہم انھیں اپنے لاهور اور نتھیا گلي کي ایسي دکھاسکتے تھے کہ عمر رفتہ کي ساري ٹھاٹ بھول جاتے، پر اولتي کہاں سے لاتے ؟ اسے طرح آم تو هم ملتان کا ایک سے ایک پیش کرسکتے تھے، دسہري، لنگڑا ، ثمر بہشت، انور رتول ، لیکن همارے پپنجاب میں تو ایسے درخت ناپید هیں جن میں آموں کے بجاے دوشیزائیں لٹکي هوئي هوں، چناچہ ایسے نازک موقعوں پر هم خاموش، همہ تن گوش، بلکہ خرگوش بنے اولتي کي ٹپاٹپ سنتےرهتے۔

قبلہ کا ریڈیو اونچا سنتا تھا

دریا کے بہاؤکے خلاف تیرنے میں تو خیر کوئي نقصان نہیں ، همارا مطلب هے کہ دریا کا نقچان نہیں، لیکن قبلہ کو تو سیکڑوں فٹ کي بلندي سےگرتے هوئے آبشار نیا گرا پر تیر کر چڑھنا چاھتے تھے، یایوں کہیے کہ تمام عمر نیچے والي ایس کے لیٹر سے اوپر چڑہنے کي کوشس کرتے رهے، اور ایس کے لیڑ بنانے والے کو گالیاں دیتے رهے، ایک دن کہنے لگے مشتاق میاں یہ تمہارا کراچي بھي عجب مردم شناس شهر هے ۔ نہ خریداري کي تمیز، نہ خودراي کے آداب، نہ کسي کي بزرگي کا لحاظ ملاحظہ، میں جس زمانے میں بشارت میاں کے ساته بہار کالوني میں رهتا تھا، ایک بیٹري سے چلنے والا ریڈیو خرید لیا تھا،اس زمانے میں ریڈیو میں کار کي بیٹري لگواني پڑتي تھي، بہار کالوني میں بجلي نہیں تھي، اس کا رکھنا اور چلانا ایک درد سر تھا، بشارت میاں روزانہ بیٹري اپني کارخانے میں لے جاتے اور چارج هونے کیلئے آرامشین لگادیتے، ساته آٹه گھنٹے میں اتني چارج هو جاتي تھي کہ بس ایک آدھا گھنٹا بي بي سي سن لیتا، اس کے بعد ریڈو سے آرا مشین کي آوازیں آنا شروع هوجاتیں اور میں اٹه کر چلا جاتا،گھر کے پچھواڑے ایک چیپچ گٹ اونچي نہایت قیمتي، بے گانٹه بلي گاڑ کر ایریل لگارکھا تھا،اس کے باوجود ریڈیو اونچا سنتا تھا، آئےدن پتنگ اڑانے والے لونڈے میرے ایریل سے پیچ لڑاتے، مطلب یہ کہ اس میں پتنگ الجھا کر زور آزمائي کرتے، ڈور ڈوٹ جاتي، ایریل خراب هوجاتا، ارے صاحب ایریل کیا تھا، پتنگوں کا فضائي قبرستان تھا، اسپ ریہ کئي پتنگیں چوبیس گھنٹے اس طرح پھڑ پھڑاتي رهتیں ، جیسے سڑک کے کنارے کسے نوفویدھ پیر کےمزار پر جھنڈیاں، پچیس فٹ کي اونچائي پر چڑھ کر ایریل دوبارھ لگانا، نہ پوچہئیے کیسا عذاب تھا، بس یوں هي سمجھئیے سولي پہ لٹک کے بي بي سي سنتا تھا، بہر حال جب برنس روڈ کے فلیٹ میں منتقل هونے لگا تو سوچا، وہاں تو بجلي هے چلو ریڈیو بیچتے چلیں، بشارت میاں بھي عاجز آگئے تھے، کہتے تھے، اس سے تو پتنگوں کي پھڑ پھڑا ہٹ براڈ کاسٹ هوتي هے، ایک دور کے پڑوسي سے ۲۵۰روپے میں سودا پکا هوگیا، علي الصبح وھ نقد رقم لے آیا، اور میں نے ریڈیو اس کے حوالے کردیا، رات کو گیارھ بجے پھاٹک بند کرنے باهر نکلا تو کیا دیکھتا هوں وھ شخص اور اس کے بیل جسي گردن والےدو بیٹے کدال پھاؤڑا لیے مزے سے ایریل کي بلي کو اکھاڑ رهے هیں، میں ڈپٹ کر

پوچھا یہ کیا ھورھا ھے؟ سینہ زوري دیکھوں کہتے ھیں، بڑے میاں بلي اکھاڑ رھے ھیں، ھماري ھے۔ڈھائي سو روپے میں ریڈیو بیچا ھے بلي سے کیا تعلق تعلق نہیں تو ھمارے ساتھ چلو اور ذرا بلي کے بغیر بجا کے دکھاؤ یہ تو اس کي ایسسري ھے۔نہ ھوا کانپور ۔سالے کي زبان گدي سے کھینچ لیتا اور ان حرامي پلوں کي بیل جیسي گردن ایک ہي وار میں بھٹا سي اڑا دیتا ، میں نے تو زندگي میں ایسا بد معاملہ، بے ایمان آدمي نہیں دیکھا، اسي اثنا میں وھ نابکار بلي اکھاڑ کے زمین پر لٹال چکا تھا، ایک دفعہ جي میں تو آیا کہ اندر جا کر ۱۲بور لے آؤں اور اسے بھي بلي کے برابر میں لٹال دوں پھر خیال آیا کہ بندوق کا لائنسس تو ختم ھوچکا ھے ، اور کمینے کے منه کي لگنا، اس کي بے قصور بیوي رانڈ ھو جائےگي، وھ زیادھ قانون چھانٹںے لگا تو میں کہا، جا جا تو کیا سمجھتا ھے؟ بلي کي حقیقت کیا ھے ، یہ دیکه یہ چھوڑ کے آئے ھیں۔ قبلہ حویلي کي تصوریر دکھاتے ھي رھ گئے اور وھ تینوں بلي اٹھا کر لے گئے۔

معذور بیوي اور گشتي چلم

ان کي زندگي کا ایک پہلو ایسا بھي تھا، جس کا کسي نے انکو شراتہ ذکر کرتے نہیں سنا تھا، ھم اس کي طرف ابتدائي حصے میں اشارھ کرچکے ھیں، ان کي شادي بڑے چاؤ چونٹلے سے ھوئي تھي، بیوي بہت خوب صورت، نیک طینت اور سلیقہ شعار خاتون تھیں، شادي کے چند سال بعد ایک مرض لاحق ھوا کہ پہنچوں تک دونوں ہاتھوں سے معذور ھوگئیں، قریبي اعزہ بھي ملنے سے گریز کرنے لگے، روز مرھ کي ملاقاتیں ، شادي غمي میں شرکت ، سبھي سلسلے رفتہ رفتہ منقطع ھوگئے، گھر کا سارا کام نوکر اور مامائیں تو نہیں کرسکتي تھیں، قبلہ جس سے محبت اور دل سوزي سےتمام عمر بے عذر خدمت اور دیکه ریکه کي، اس کي مثال مشکل سے ملے گي، کبھي ایسا نہیں ھوا کہ ان کي چوٹي بے گندھي اور دوپٹہ بے چنا ھو، یا جمعے کو کاسني رنگ کا نہ ھو، وقت نے سر پر کانسي دوپٹے کے نیچے روئي کے گالے جمادیے، مگر ان کي توجہ اور پیار میں جو ذرا فرق آیا ھوں، یقین نہیں آتا تھا، کہ ایثار و رفاقت کا یہ وھ پیکر وھي مغلوب الغضب آدمي ھے جو گھر کے باھر ایک چلتي ھوئي تلورا ھے، زندگي کا بھر کا ساته ھو تو صبر اور سجھاؤ کي آزمائش کے ھزار مرحلے آتے ھیں، مگر انھوں نے اس معذور بي بي سے کبھي اونچي آواز میں بھي بات نہیں کي۔
کہنے والے کہتے ھیں کہ ان کي جھلاہٹ اور غیظ و غضب کي ابتدا اسي سانحہ معذوري سے ھوئي، وھ بي بي تو مصلے پر ایسي بیٹھیں کہ دنیا میں جنت مل گئي، قبلہ کو نماز پڑھتے کسي نے نہیں دیکھا، لیکن زندگي بھر جیسي سچي محبت اور راتوں کو اٹه اٹه کر جیسي بے عذر اور خاموش خدمت انھوں نے چالیس برس تک کي، وھي ان کیعبادت و ریاضت، وھ ہي ان کا ورد وظیفہ اور وھ ہي ان کي دعائے یم شبي تھي، وھ بڑا بخشن رہا ھے، شاید یہي انکا وسیلہ

بخشائش بن جائے۔ایک دور ایسا بھي آیا کہ بیوي سے ان کي یہ حالت نہ دیکھي گئي ،خود کہا کسي رانڈ ،بیوھ سے شادي کرلو، بولے ،ہاں، بھاگوان، کریں گے، کہیں دو گز زمین کا ایک ٹکڑا ھے جو نہ جانے کب سے ھماري بارات کي راھ دیکه رھا ھے، وھیں چار کاندھوں پہ ڈولا اترے گا،، بیوي مٹي سدا سہاگن ھے سا جائیں گے اک روز زمیں میں اوڑھ کے ھم بھي۔بیوي کي آنکه میں آنسو دیکہتے تو بات کا رخ پھیر دیا کرتے، وھ اپني ساري ،امیجري، لکڑي، حقے اور تمباکو سے کشید کرتے تھے، بولے، بیوي ، یہ رانڈ بیوھ کي قید تم نے کیاسوچ کر لگائي؟ مانا شیخ سعدي کہہ گئے ھیں، زن بیوه مکن اگر چہ حوراست، مگر تم نے شاید وھ پوبي مثل نہیں سني پہلے پیوے بھکوا، پھر پیوے تمکوا، پیچھے پیوے حلیم چاٹ ، یعني جو شخص پہلے حقہ پیتا تھا، وھ بدھو ھے در اصل وھ تو چلم سلگانے اور تاؤ پر لانے میں ھي جٹا رھتا ھے، تمباکو کا اصل مزھ تو دوسرے شخص کے حصے میں آتا ھے اور جو آخر میں پیتا ھے وھ جلے ھوئے تمباکو سے خالي بھک بھک کرتا ھے۔

جدھر جائیں دہکتے جائیں

کراچي میں دکان تو پھر بھي تھوڑي بہت چلي، مگر قبلہ بالکل نہیں چلے، زمانے کے تغیر اور گرد پیش پر کس کا زور چلا ھے، جو ان کا چلتا، حوادث کو روکا نہیں جاسکتا ھے، شخصیت میں پیچ پڑجائیں تو دوسروں کے علاوھ خود کو بھي تکلیف دیتے ھیں ، لیکن جب وھ نکلنے لگیں تو اور زیادھ اذیت ھوتي ھے، کراچي ہجرت کرنے کے بعد اکثر فرماتے کہ ڈیڑھ سال جیل میں رھ کر جو تبدیلي مجه میں نہ آئي وھ یہاں ایک ھفتے میں آگئي، یہاں تو بزنس کرنا ایسا ھےجیسے چنگھاڑے کے تالاب میں تیرنا ، کانپور ھي کے چھٹے ھوئے چھا کٹے یہاں شیر بنے دندناتے پھرتے ھیں، اور اچھے اچھے شرفا ھیں، کہ گیدڑ کي طرح دم کٹوا کے بھٹ میں جا بھیٹے ، ایسا بجو پڑا
خود بخود بل میں ھے ھر شخص سمایا جاتا،جو دانا ھیں وہ اپني د میں چھپائے بلوں میں گھسے بیٹھے ھیں،باھر نکلنے کي ہمت نہیں پڑتي ، اس پر مرزا نے ہمارے کان میں کیا کہا،انیس دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ،ایک دوست نے اپني آبرو جو کھم میں ڈال کے قبلہ سے کہا کہ گزار ھو زمانہ لوٹ کر نہیں آسکتا، حالات بدل گئے ، آپ بھي خود کو بدل لیجئے، مسکرائے ،فرمایا، خربوزہ خود کو گول کرلے تب بھي تربوز نہیں بن سکتا۔
بات دراصل یہ تھي کہ زمانے کا رخ پہچاننے کي صلاحیت ،حلم و بردباري،نرمي اور لچک نہ ان کي سرشت میں تھي اور نہ زمیں دارانہ ماحول اور معاشرے میں ان کا شمار خوبیوں میں ھوتا تھا، سختي، خورائي، تمکنت، خشونت اور جلال مزاج عیب نہیں، بلکہ فیوڈل کردار کي راستي اور مظبوطي کي دلیل تصور کیے جاتے تھے ، اور زمیں دار تو ایک طرف رھے، اس زمانے کے علما تک ان اوصاف پر فخر کرتے تھے۔ھم نہ نکہت ھیں، نہ گل

هيں، جو مہکتے جاويں،آگ کي طرح جدھر جاويں دہکتے جاويں،قبلہ کے حالات تيزي سے بگڑنے لگے تو ان کے بہي خواہ مياں انعام الہي نے جو اپني خوردي کے باوصف انکے مزاج اور معاملات ميں درخورکھتے تھے، عرض کيا دکان ختم کرکے ايک بس خريد ليجئے، گھر بيٹھے آمدني کا وسيلہ ھے ، روٹ پرمٹ ميرا ذمہ ، آج کل اس دھندے ميںبڑي چاندي ھے، يک بارگي جلال آگيا، فرمايا ، چاندي تو طبلہ سارنگي بجانے ميں بھي ھے، ايک وضع داري کي ريت بزرگوں سے چلي آرھي ھے، جس کا تقاضا ھے کہ خراب و خوار ہي ھونا مقدر ميں لکھا ھے تو اپنے آبائي اور آزمودہ طريقے سے ھوں گے، بندہ ايسي چاندي پر لات مارتا ھے۔چرغ اب ھميں جو دے ھے ، نہيں ليتے ھم،کونين بھي گو دے ھے، نہين ليتے ھم
ھم ليتے ھيں جس ڈہب سے، نہيں ديتا وھ،جس ڈھب سے کہ وھ دے ھے ، نہيں ليتے ھم

آخري گالي

کاروبار مندا بلکہ ٹھنڈا، طبعيت زنگ رنگ، بے دلي کے عالم ميںدن گزر رھے تھے، دکان داري اب ان کي مالي نہيں، نفسياتي ضروت تھي، سمجھ ميں نہيں آتا تھا کہ دکان بند کردي تو گھر ميں پڑے کيا کريں گے، پھر ايک دن يہ ھوا کہ ان کا نيا پٹھان ملازم زرين گل خان کئي گھنٹے دير سے آيا، ھر چند غصے کو پينے کي کوشش کرتے، ليکن پراني عادت کہيں جاتي ھے، چند ماھ قبل انھوں نے ايک ساٹھ سالہ منشي آدھي تنخواہ پر رکھا تھا، جو گير وے رنگ کا ڈھيلا ڈھالہ جبہ پہنے، ننگے پير زمين پر آلتي پالتي مارے حساب کتاب کررھے ھيں، کرسي يا کسي بھي اونچي چيز پر بہيٹنا اس کے مسلک ميں منہ تھا، وارثي سلسلے سے کسي بزرگ سے بيت تھا، فرض شناس، ايمان دار، پابندصوم صلوتہ، زود رنج کا کام ميں چوپٹ، قبلہ نے طيش ميں آکر کہا ايک دن اسے حرام خور کہہ ديا، سفيد داڑھي کا لحاظ بھي نا کيا ،اس نے رسان سے کہاں، حضور کے ہاں جوشے وافر ملتي ھے وھ ھي تو فقير کھائے گا، سلام عليکم يہ جا وھ جا دوسرے دن سے منشي جي نے آنا اور قبلہ نے حرام خور کہناچھوڑ ديا، ليکن حرام خوروں کے علاوھ اور بھي تو دل دکھانے والے بہيتر لفظ ھيں، زرين گل خان کو سخت ست کہتے ھيں ان کے منہ سےرواني اور سرگرامني ميں وہي گالي نکل گئي جو اچھے دنوں ميں ان کا تکيہ کلام ھوا کرتي تھي، گالي کي بھانک گونج درھ آدم خيل کے پھاڑوں تک ٹھنٹھناتي پہنچي جہاں زرين گل بيوہ ماں رھتي تھي وھ چہ سال کا تھا، جب ماں نے بيوگي کي چادر اوڑھي ےھي، بارھ سال کا ھوا تو اس نے وعدھ کيا کہ ماں ميں اور بڑا ھوجاؤں تو کراچي ميں نوکري کرکے تجھے پہلي تنخواہ سے بغير پيوند کي چادر بھيجوں گا، اسے اج تک کسي نے يہ گالي نہيں دي تھي، جوان خون، غصيلا مزاج، پھٹان کي غيرت اور پختو کا سوال تھا۔ زريں گل نے ان کي ترچھي ٹوپي اتار کر

پھینک دي اور چاقو تان کر کھڑا ھوگیا، کہنے لگا بڈھے میرے سامنے سے ہٹ جا، نہیں تو ابھي تیرا پیٹ پھاڑ کر کلیجا کچا چبا جاؤں گا۔ تیرا پلید مردھ بلي پہ لٹکا دوں گا۔ایک گاھک نے بڑھ کر چاقو چھینا، بڈھے نے جھک کے زمین سے اپني مخملي ٹوپي اٹھائي اور جھاڑے بغیر سر پر رکھ لي۔

کون کیسے ٹوٹتا ھے

دس پندرھ منٹ بعد وھ دکان میں تالا ڈال کر گھر چلے آئےاور بیوي سے کہہ دیا، اب ھم دکان نہیں جائیں گے، کبھ دیر بعد محلے کي مسجد سے عشاء کیا اذان کي آواز بلند ھوئي اور وہ دوسرے ھي الله اکبر پر وضو کرکے کوئي چالیس سال بعد نماز کے لئے کھڑے ھوئے تو بیوي دھک کر رھ گئیں کہ خیر تو ھے، اس لیے کہ انھیں دو سورتون کے علاوھ کچھ یاد نہیں رھتا ، وتر بھیادھورے چھوڑ کر سلام پھیر لیا کہ یہ تک یاد نہیں آرھا تھا کہ دعائے قنوت کے ابتدائي الفاظ کیا ھیں۔
وھ سوچ بھي نہیں سکتے تھے کہ آدمي اندر سے ٹوٹ بھي سکتا ھے ، اور یوں ٹوتتا ھے اور جب ٹوٹتا ھے تو اپنوں بیگانوں سے حد یہ کہ اپنے سب سے بڑے دشمن سے بھي صلح کرلیتا ھے ، یعني اپنے آپ سے ، اسي منزل پر بصیرتوں کا نزول ھوتا ھے ، دانش و بینش کے باب کہلتے ھیں۔
چشم ھو تو آنہہ خانہ ھے دھر، منہ نظر آتے ھیں دیواروں کے بیچ

کون کیسے ٹوٹتا ھے

ایسے بھي محتاط لوگ ھیں جو پیکار و فشار زیست سے بچنے کي خاطر خود کو بے عملي کے حصار عافیت میں قید رکھتے ھیں، یہ بھاري و قمیتي پردوں کي طرح لٹکے لٹکے ھي لیر لیر ھوجاتے ھیں، کچھ گم صم گمبھیر لوگ اس دیوار کي مانند تڑختے ھیں،جس کي مہین سے دراڑ جو عمدہ پینٹ یا کسي آرائشي تصویر سے باآساني چھپ جاتے ھیں، اس بات کي غمازي کرتي ھے کہ نیو اندر ھي اند کسي صدمے سے زمین میں دھنس رھي ھے، بعض لوگ چیني کے برتن کي طرح ٹوٹتے ھیں، کہ مسالے آساني سے جڑ تو جاتے ھیں، مگر وھ بال اور جوڑ پہلے نظر آتا ھے ، برتن بعد میں ، اس کے برعکس کچھ ڈھیٹ اور چپکو لوگ ایسے اٹوٹ مادے کے بنےھوتے ھیں کہ چیونگ گم کي طرح کتنا ھي چباؤ توٹنے کا نام نہیں لیتے، کھینچنے سے کھینچنے ھیں، چھوڑے سے جاتے ھیں سکڑ، آپ انھیں حقارت سے تھوک دیں تو جوتے سے اس بري طرح چپکتے ھیں،کہ چھٹائے سے نہین چھوتے رھ رھ کر خیال آتا ھے کہ اس سے تو دانتوں تلے ھي بھلے تھے، کہ پپول تو لیتے ھیں، یہ چیونگ گم لوگ خود آدمي نہیں، پر آدم شناس ھیں، یہ کامیاب و کامران کامگار لوگ ھے ، یہ وھ ھیں جنھوں نے انسانوں کو دیکھا، پرکھا اور برتا ھے اور جب اسے کھوٹا پایا تو خود بھي کھوٹے ھوگئے وقت کي اٹھتي موج نے اپنے حباب کا تاج ان کے

سر پہ رکھا اورساعت گزران نے اپنے تخت رواں پہ بٹھایا۔
اور کچھ ایسے بھي ھیں کہ کار کے ونڈ اسکرین کي مانند ھوتے ھیں، ثابت و سالم ھیں تو سینہ عارف کي طرح شفاف کہ دو عالم کا نظارھ کرلو، اور یکا یک توٹے تو ایسے ٹوٹے کہ نہ بال پڑا، نہ در کے نہ تڑخے، یکبارگي ایسے ریزہ ریزہ ھوئے کہ ناعارف رہا، نہ دو عالم کي جلوھ گري، نہ آئینے کا پتا کہ کہاں تھا، کدھر گیا، نہ حذرربانہ خطر رھا، جورھي سو بخبري رہي۔اور ایک انا ھے کہ یوں ٹوٹتي ھے جیسے جابر سلطانوں کا اقبال یا حضرت سلیمان کا عصا جس کي ٹیک لگائےوھ کھڑے تھے، کہ روح قفس عنصري سے پروز کرگئي، لیکن ان کا قالب بے جان ایک مدت تک اسي طرح استادھ رھا اور کسي کو شبہ تک نہ گزرا کہ وھ رحلت فرما چکے ھیں، وھ اسي طرح بے روح کھڑے رھے اور ان کے اقبال اوررعب و دبدبے سے کاروبار سلطنت حسب معمول سابق چلتا رھا، ادھر عصا کو دھیرے دھیرے گھن اندر سے کھاتا رھا، یہاں تک کہ ایکدن وھ چٹاح سے ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمان کا جسد خاکي فرش زمین پر آرھا، اس وقت ان کي امت اور رعیت پر کھلا کہ وھ دنیا سے پردھ فرماچکے ھیں۔سو وھ دیمک زدھ عصائے پندار و جلال جس کے بل قبلہ نے غل و غش زندگي گزاري آج شام ٹوٹ گیا اور زیست کرنے کا وھ طنطہ اور ھمھمہ سرنگوں ھوا۔

میں پاپن ایسي جلي کوئلہ بھئي نہ راکھ

انھیں اس رات نیند نہیں آئي، فجر کي اذان ھورھي تھي کہ کہ ٹمبر مارکیٹ کا ایک چوکیدار ھانپتا کانپتا آیا اور خبر دي کہ صاحب جي، آپ کي دکان اور گودام میں اگ لگ گئي ھے، آگ بھجانے کے انجن تین بجے ھي آگئے تھے، سارا مال کوئلہ ھوگیا، صاحب جي،آگ کوئي آپ ھي آپ تھوڑا ہي لگتي ھے، وھ جس وقت دکان پہنچےتو سرکاري اصطلاح مین آگ پر قابو پایا جاچکا تھا،فائر بریگیڈ کي متعدد اور کارکردگي کے علاوھ اس کو بھي بڑا دخل تھا کہ اب جلنے کے لیئے کچھ باقي نہیں رھا، شعلوں کي لپلپاتي دو شاخہ زبانیں کالي ھوچلیں تھیں، البتہ چیڑ کے تختے ابھي تک دھڑ دھڑ جل رھے تھے، اور فضا دور دور تک ان کي تیز خوشبو کے آتشیں آبشار میں نہائي ھوئي تھي، مال جتنا تھا۔
سب جل کر راکھ ھو چکا تھا۔ صرف کونے میں ان کا چھوٹا سا دفتر بچا تھا، عرصہ ھوا، کانپور میں جب لال رمیش چندر نے ان سے کہا تھا حالات ٹھیک نہیں ھیں، گودام کي انشورنس پالیسي لے لو، تو انھوں نے ململ کے کرتے کي چني ھوئي آستین الٹ کر اپنے بازو کي پھڑکتي ھوئي مچھلیاں دکھاتے ھوئے کہا تھا، یہ رھي یاروں کي انشورنس پالیسي، پھر اپنے ڈنٹر پھلا کر لالہ رمیش چندر سے کہا ، ذرا چھوکر دیکھو، لالہ جي نے اچنبھے سے کہا لوہا ھے لوہا، بولے نہیں فولاد کہو۔دکان کے سامنے خلقت کے ٹھٹ لگے تھے، ان کو لوگوں نے اس طرح راستہ دیا جیسے جنازے کو دیتے ھیں،ان کا چہرھ جذبات سے عاري تھا، نہ لب بے سوال پر کوئي لرزش ، انھوں نے اپنے دفتر کاتالا کھولا، انکم ٹیکس

کے حسابات اور گوشوارے بغل میں مارے اور گودام کے مغربي حصے میں جہاں چیڑ سے ابھي شعلي اور خوشبوؤں کي لپٹیں اٹھ رھي ھیں، تیز تیز قدموں سے گئے پہلے انکم ٹیکس کے کھاتے اور ان کے بعد چابیوں کا گچھا نذرآتش کیا، پھر آہستہ آہستہ ، دائیں بائیں نظر اٹھائے بغیر ، دوبارہ اپنے دفتر مین داخل ھوئے، حویلي کا فوٹو دیورا سے اتارا رومال سے پونچھ کر بغل میں دبایا اوردکان جلتي چھوڑ آئے۔بیوي نے پوچھا اب کیا ھوئے گا ؟انھوں نے سرجھکا لیا۔اکثر خیال آتا ھے، اگر فرشتے انھیں جنت کي طرف لے گئے جہاں موتیا دھوپ ھوگي اور کاسنے بادل، تو وہ باب بہشت پر کچھ سوچکر ٹھٹک جائیں گے۔ رضوان جلد اندر داخل ھونے کا اشارہ کر ے گاتو سینہ تانے اس کے قریب جا کر کچھ دکہاتے ھوئے کہیں گے۔یہ چھوڑ کر آئے ھیں۔

دُعاگو

شاھدریاض

shahid.riaz@gmail.com